حقیقت توحید
حضرت مولانا سید عبید اللہ حسنی ندوی
سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

طبع اول

ذیقعدہ/۱۴۳۵ھ = ستمبر/۲۰۱۴ء

نام کتاب	:	حقیقت توحید
مصنف	:	مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ
مرتب	:	محمد ارمغان ندوی
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۱۲۰

باہتمام : محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب، ندوۃ روڈ لکھنؤ ☆ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

اسلام میں عقیدۂ توحید بنیاد ی حیثیت رکھتا ہے، اگر اس میں رخنہ پڑتا ہے تو اسلام کی عمارت کمزور ہوتی ہے، اور اگر توحید ہی باقی نہ رہے تو اسلام کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے، باقی سب عقائد واعمال اسی پر منحصر ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ اللہ کے بندوں کو ایک اللہ کی بندگی میں لایا جائے، اور شرک کی ہر طرح کی آمیزش سے ان کو پاک کیا جائے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی اس کی دعوت دی، اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں مداہنت گوارہ نہیں فرمائی، صحابہ نے اور پھر صحابہ کے جانشینوں نے ہمیشہ علم توحید بلند رکھا، اور ہر دور میں ایسے علماء پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس کو ہر طرح کی آلودگی سے پاک رکھا، اور امت کے سامنے توحید کا

صاف ستھرا عقیدہ پیش کیا۔

ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، شیخ شرف الدین یحی منیریؒ، اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے سرزمین شرک میں توحید کا پرچم لہرایا، اور مثالوں سے اس کی حقیقت کو آشکارہ کیا، اخیر دور میں حضرت سید احمد شہیدؒ، اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اس کے امام تھے، حضرت شاہ صاحب کی شہرہ آفاق کتاب ''تقویۃ الایمان'' نے نہ جانے کتنے لوگوں کو صحیح راستہ دکھایا، پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس کا بیڑا اٹھایا، اور تصوف کے راستہ سے جو مشرکانہ اعمال و رسوم، اسلام میں داخل ہو رہے تھے ان کو الگ کیا، حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان کا شعار ہمیشہ توحید و سنت کی دعوت رہا ہے، اس خاندان کے گل سرسبد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے یہاں عقیدۂ توحید کے سلسلہ میں بڑی حساسیت تھی، یہی وراثت برادر مخدوم و معظم حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ میں منتقل ہوئی، جو ان کے دروس حدیث میں، ان کی تقریروں اور مجلسوں میں جلوہ گر نظر آتی تھی۔

رمضان المبارک میں برسوں سے مولانا کے درس حدیث کا سلسلہ جاری تھا، جو ان کے آخری رمضان تک جاری رہا، اس میں تہذیب الاخلاق کے باب التوحید کا درس وہ جس جوش اور وضاحت و تفصیل کے

ساتھ دیا کرتے تھے وہ آج بھی سامعین کے کانوں میں رس گھولتا ہے، افسوس ہے کہ پورے دروس محفوظ نہ رہ سکے، جو رہ گئے وہ قارئین کے سامنے ہیں۔

عزیز گرامی مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ جنہوں نے مولانا کی تقریروں اور دروس کے قلمبند کرنے اور مرتب کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے یہ کام بھی انہوں نے انجام دیا۔ عزیز القدر مولوی محمد نفیس خاں ندوی سلمہ نے نظر ثانی کی، اور اب یہ رسالہ جو بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے، قارئین کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ مرتب موصوف کو اجر عطا فرمائے، صاحب رسالہ کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے، اور معاونین کو بھی اس کے اجر میں شامل فرمائے، اور اس کے نفع کو عام و تام فرمائے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی

۱۷ ررمضان المبارک ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقتِ توحید

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ إِمَامِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ رَحْمَةٍ لِلْعَالَمِيْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰى آلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَصَحْبِهِ الْغُرِّ الْمَيَامِيْنَ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ وَدَعَا بِدَعْوَتِهِمْ وَانْتَهَجَ بِمَنْهَجِهِمْ وَاهْتَدٰى بِهُدَاهُمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ، أَمَّا بَعْدُ!

عقیدۂ توحید کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کائنات میں کچھ نہیں تھا جب اللہ تھا، اور کچھ نہیں رہ جائے گا تو بھی اللہ ہی رہے گا، اسی وجہ سے وہ اول بھی ہے' آخر بھی ہے، اس سے پہلے کوئی نہیں' اس کے بعد کوئی نہیں، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے کائنات کو بنایا اور اس سے پہلے نہ کائنات تھی، نہ سنسار تھا، نہ آسمان تھے، نہ زمین تھی، اور نہ آسمان وزمین کے رہنے والے تھے، اور مخلوقات کی جتنی قسمیں

ہیں کوئی بھی نہیں تھی، نہ ہوا، نہ پانی، اور نہ اور کوئی چیز، مگر اللہ تھا، تو جب اللہ تھا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ حشر قائم ہونے سے پہلے کائنات کو ختم کر دیا جائے گا، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں رہ جائے گا، یہاں تک کہ سارے فرشتے اور ساری مخلوقات جن کو اللہ نے زندگی دی ہے وہ سب ناپید کر دیئے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، آج بادشاہت کس کی ہے؟ کوئی بولنے والا ہے؟ اس وقت ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوگا نہ فرشتوں میں، اور نہ ہی دیگر مخلوقات میں، جو زبان بھی ہلا سکے۔

تو جب کچھ نہیں تھا تب اللہ ہی تھا اور جب کچھ نہیں رہے گا تب بھی اللہ ہی رہے گا، اور پھر جتنی بھی چیزیں ہیں سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، تو اب اس کے علاوہ کون ہے جس سے تعلق جوڑا جائے؟ اور جس کو اس کی بڑائی، کبریائی، یکتائی کے ساتھ مانا جائے؟ اگر یہ تصور ذہن میں ہو تو پھر توحید کا سمجھنا آسان ہوگا، کیونکہ انسان مخلوقات کو دیکھ کر یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ ان کے اندر بھی پائداری ہے، ان کے اندر بھی استقلال ہے، اور یہ بھی کام بنانے والے ہیں، حالانکہ جو خود پیدا کیا گیا ہو وہ کام کیا بنائے گا؟ ہاں اُتنا ہی بنا سکتا ہے، جتنا تمہارا کام بنا ہوا ہو۔

اللہ ہی بڑا ہے

جس طرح ایک کمہار مٹی کے برتن بناتا ہے، تو مٹی کے برتن پانی کو

اپنے اندر ڈبوتے ہیں، اگر آپ اس کے اندر پانی رکھیں، تو وہ آپ کے پانی کو ٹھنڈا کریں گے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ برتن پانی دیتا ہے اور برتن پانی ٹھنڈا کرتا ہے، تو یہ ایک عجیب سی بات ہوگی، لیکن آدمی بعض دفعہ اس میں الجھتا ہے اور پھر پھنستا ہے، کیونکہ جو نسبت کمہار کو برتنوں سے ہے اس سے بھی زیادہ بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اللہ کی نسبت دوسری مخلوقات سے ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ گھڑا کمہار سے چھوٹا ہے یا کمہار صراحی سے بڑا ہے تو لوگ ہنسیں گے، اس لیے کہ کمہار کمہار ہے، وہ انسان ہی ہے، اور سارے برتن جو اس کے بنائے ہوئے ہیں، وہ مصنوع ہیں، اور یہ خود صانع ہے، تو دونوں مقابلہ میں نہیں ہوئے، مقابلہ برابر والوں میں ہوتا ہے، یہ کہا جائے گا یہ صراحی بڑی ہے، یہ گھڑا بڑا ہے، یہ اس گھڑے سے بڑا ہے، یہ اس صراحی سے بڑا ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ گھڑا کمہار سے چھوٹا ہے یا کمہار صراحی سے بڑا ہے۔

اسی لیے اللہ نے اپنے ساتھ جو لفظ رکھا ہے وہ اللہ اکبر ہے، یعنی اللہ ہی بڑا ہے، یہ نہیں کہ فلاں سے بڑا ہے، نسبت ہی نہیں ہے، اسی لیے یہ ترجمہ اللہ سب سے بڑا ہے یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ "اللہ اکبر" کا صحیح ترجمہ ہی ہوا کہ اللہ ہی بڑا ہے،، بس وہ خالق ہے، وہ صانع ہے، وہ موجد ہے، وہ زندگی دینے والا، قائم رکھنے والا، کھلانے پلانے والا ہے، اب جو مخلوقات

ہیں ان میں کیسے کہیں کہ ان میں یہ بڑے ہیں، جیسے آپ سامنے ہیں تو یہ کہا جائے گا یہ بڑے ہیں، یہ چھوٹے ہیں، یہ عمر میں بڑے ہیں، یہ قد میں بڑے ہیں، یہ تقوی میں بڑے ہیں، یہ کہا جائے گا، لیکن اللہ کے مقابلہ میں نہیں کہا جائے گا کہ اللہ فلاں انسان سے بڑا ہے، بلکہ کہا جائے گا کہ اللہ ہی بڑا ہے، اسی نے پیدا کیا، وہ یکتا اور تنہا ہے۔

کمہار کا تو شریک ہے، ایک کمہار یہاں ہے تو دوسرا وہاں ہے، لیکن اللہ ایسا صانع ہے کہ اس کے برابر کوئی نہیں ہے، اسی نے ہر ذرہ کو پیدا کیا ہے، ہر بڑے چھوٹے کو بنایا ہے، وہ تو بس تنہا اور یکتا ہے، یہ بات اچھی طرح ذہن میں بیٹھ جانی چاہیے، یہی توحید ہے، کہ اللہ ہی بڑا ہے، اب کس اعتبار سے بڑا ہے؟ تو جتنے اس کے اسماء ہیں، جتنی اس کی صفات بیان کی جاتی ہیں، ان سب میں بغیر کسی نسبت کے بس وہی بڑا ہے، مثلاً: اس کا ایک اسم رزاق ہے، تو اب اس کی بڑائی یہ ہے کہ دانا بھی وہی اگاتا ہے، اور دانا جب انسان کھاتا ہے تو قوت ہاضمہ بھی وہی پیدا کرتا ہے، جیسے کہ گھڑا بنایا اس میں ٹھنڈے کرنے کی صلاحیت رکھ دی، اب گھڑے میں پانی رکھا تو وہ ٹھنڈا ہو گیا، تو اب اس گھڑے کی طرف نسبت نہیں ہوگی، بلکہ اصلاً یہ ہے کہ مٹی میں وہ صفت رکھ دی کہ اس مٹی میں پانی زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے، تو اللہ جب رزاق ہے تو اس کے ہاتھ میں سب کچھ

ہے تو اب یہ نہیں کہ یہ بھی رزق دیتے ہیں، یہ بھی دیتے ہیں، اور کھانا لانے والا بھی رزاق ہے، نہیں، رزاق بس خدا کی ذات ہے، یہ توحید ہے۔

توحید کامل

توحید کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ الفاظ یاد کرلیں بلکہ یہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ اس کے معانی تک پہنچ جائیں، اور پھر کیفیات تک پہنچ جائیں، یہ وہ احوال و مقامات ہیں جن تک پہنچ کر آدمی بالکل ایک غیر معمولی کیفیت کا حامل شخص ہوجاتا ہے، اس کا رابطہ غیر خدا سے ختم ہوجاتا ہے، ہر چیز میں وہ خدا کا جلوہ دیکھتا ہے، جس کو کہتے ہیں ہر جگہ خدا ہی نظر آتا ہے، یہ اسی وقت ہوتا ہے جب خالص توحید پیدا ہوجائے، تو ان سب میں وہی صفات بیان کی گئی ہیں، اس کے کمالات کا اظہار کیا گیا ہے، اور اس کے دنیا اور دنیا میں جتنی چیزیں ہیں اور اس سے متعلقات ان سب کو پیدا کرنے والے وہی ہیں اور اس کو قائم رکھنے والی ذات بھی اسی کی ہے، اس لیے ہم سب کی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اس سے اپنا صحیح رابطہ قائم کریں اور اس کے علاوہ کسی اور سے ہمارا تعلق نہ ہو اور ویسے ہی اس کو جانیں جیسا وہ ہے جس کی وضاحت اس نے قرآن کی آیات میں بھی کردی ہے، جس کے لیے لَاضِدَّ لَہٗ، لَا نِدَّ لَہٗ، وَلَا کُفُوَ لَہٗ، وَلَا شِبْہَ لَہٗ، وَلَا مِثْلَ لَہٗ، لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وغیرہ وغیرہ کے الفاظ ہیں، کہ

اس کا جیسا کوئی نہیں، اور بعض ایسی وہ صفات جو بندوں میں اور اس میں مشترک معلوم ہوتی ہیں ان کو یہ کہہ کر ختم کر دیا گیا ہے کہ الفاظ ایک ہیں لیکن معانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لیے معانی کو سمجھنا ہوگا۔

دراصل توحید الفاظ کا جامہ نہیں ہے، جس کو پہن لیا جائے یا کچھ الفاظ نہیں ہیں جن کو رٹ لیا جائے۔ لوگوں نے توحید کو آسان سمجھ لیا ہے، اور چند الفاظ اپنی زبان سے رٹ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ مُوَحِّد ہو گئے، حالانکہ وہ الفاظ کے اور جملوں کے حافظ تو ہیں لیکن کیا توحید کے معنی اور توحید کا اثر ان کے دل و دماغ میں ہے؟ اس میں ابھی اشکال ہے، الفاظ سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اصل یہ ہے کہ اللہ کا صحیح تصور قائم ہو جائے، اور اللہ کے بارے میں آدمی وہ سمجھنے لگے جو اللہ چاہتا ہے، یہ توحید ہے، اور جب تک توحید درست نہیں ہوگی، ہم ہمیشہ ادھر ادھر کی چیزوں میں الجھے رہیں گے، اور جب الجھے رہیں گے تو اللہ کے یہاں کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوگا، اور کیونکہ اللہ تعالیٰ اندر کے خیالات سے بھی واقف ہے، اور جذبات سے بھی آگاہ ہے اب اگر ہم ادھر ادھر الجھے تو اللہ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ الجھ رہا ہے، اس لیے توحید ناقص ہو جاتی ہے، توحید کامل یہ ہے کہ اندر سے بھی نہ الجھے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب ان تمام باتوں کو سوچے گا تب جا کر توحید اس کے اندر راسخ ہوگی، اور اگر یہ ہو جائے تو غیر اللہ سے تعلق ختم

ہو جاتا ہے اور اللہ سے تعلق جڑ جاتا ہے اور جب اللہ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے اور اس کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ خود بادشاہ ہوتا ہے، اس لیے کہ خدا سے وابستہ ہوتا ہے اور اس کے بعد بادشاہ ہی ہوتا ہے۔

ایک قصہ

ہارون رشید خلیفہ کا جو قصہ سنایا جاتا ہے، اس کے اندر بھی اس کی طرف اشارہ ہے، ہارون رشید نے اپنے تمام درباریوں کو بلا کر یہ کہا کہ جو جو جس پر ہاتھ رکھ دے وہ اس کا ہے، بڑی بڑی دستاویز، سونے اور چاندی کے ڈھیر، یہ سب اس نے پہلے ہی رکھوا دیئے تھے، سب دوڑے، کسی نے سونے چاندی پر ہاتھ رکھا، کسی نے دستاویزات پر رکھا، کئی کئی سو بیگھا زمین مل گئی، لیکن ایک لونڈی جو سراپا باندی تھی، جس کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہوتی لیکن اس کے اندر معرفت تھی، اس نے کسی چیز پر ہاتھ نہیں رکھا اور ہارون رشید سے پوچھا کہ آپ بتایئے کہ جو آپ کہہ رہے ہیں واقعی کہہ رہے ہیں یا صرف الفاظ ہیں؟ انہوں نے کہا میں نے سوچ سمجھ کر کہا ہے اور اس کے اثرات مرتب ہوں گے، دو تین دفعہ اس نے پوچھا پھر اٹھ کر ہارون رشید پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا جب بادشاہ ہی میرے ہوں تو یہ سونے چاندی کے ڈھیر اور جائداد کی کیا حیثیت؟!

صاحب توحید کا مقام

جو توحید والا ہو جس کا تعلق اللہ سے ہو جاتا ہے وہ بادشاہ ہوتا ہے چاہے غلام در غلام ہو، بندہ در بندہ ہو، اسی وجہ سے بندگی سب سے اونچا مقام ہے، بندہ اسی لیے سب سے اونچا ہے کیونکہ جب وہ اپنے اندر عبودیت یعنی توحید پالیتا ہے، تو بندہ ہو کر وہ بادشاہ ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق اللہ سے ہو جاتا ہے تو اس کو کسی کا ہوش نہیں ہوتا، دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے آدمی کا خیال نہیں ہوتا ہے، اسی لیے انبیائے کرام جو صاحبان توحید تھے جاہ وجلال والوں کے سامنے جاتے تھے تو ذرا بھی رعب نہیں پڑتا تھا، اپنے زمانہ کے بڑے بڑے ظالم وجابر بادشاہوں کے سامنے جاتے تھے لیکن ذرہ برابر ان پر ہیبت طاری نہیں ہوتی تھی، اور ان کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ لوگ بھی عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر انسانوں میں بھی حیوان ہیں، تو یہ سب توحید کی کرشمہ سازی ہے، اسی وجہ سے اللہ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو توحید کے لیے بھیجا، آپ دیکھئے انبیائے کرام علیہم السلام جتنے بھی آئے ہیں انہوں نے سب سے پہلے توحید کی دعوت دی ہے، پہلے خدا سے اپنے تعلق کو درست کرلیا کہ اس کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں، کیونکہ جو فانی ہے وہ گویا کہ ہے ہی نہیں، اور كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے تحت تو سب

فانی ہوئے، بس ایک ہی باقی رہا اور وہ ہے اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، تو اب معاملہ کسی کے وجود کا ہے ہی نہیں۔

انبیاء کی دعوت

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ذہن میں یہ آجائے کہ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے، اسی لیے جتنے انبیاء کا آپ قرآن میں ذکر پڑھیں گے سب نے پہلی دعوت یہی دی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی الٰہ نہیں ہے، اور یہ تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے ساتھ کیا ہے تاکہ اس کی اہمیت اچھی طرح سے واضح ہوجائے، ورنہ ایک دفعہ کہنا بھی کافی تھا، ایک آیت ہی نازل ہوجاتی لیکن ہر نبی کے ساتھ بار بار تذکرہ کیا گیا ہے، گویا کہ ہر نبی کو مکلّف کیا گیا ہے کہ "دعوت الی التوحید" کا فریضہ انجام دو، بغیر اس کے اللہ سے تعلق نہیں ہوسکتا۔

اسی کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کے بینک میں آپ کا کھاتہ نہیں کھل سکتا، جیسے دنیوی بینک میں آپ پیسہ لے کر جائیں چاہے وہ کم ہو یا زیادہ ہو، جب تک آپ کا کھاتہ نہیں کھلا ہوگا تب تک وہ قابل قبول نہیں ہوگا، اور جب کھاتہ کھل جائے گا تو آپ ایک روپیہ جمع کیجیے یا پانچ ہزار، کوئی قید نہیں ہوگی، ایسے ہی جب تک توحید کا کھاتہ نہیں ہوگا تو کچھ نہیں ہوگا، چاہے اذکار پر اذکار ہوں، خدمت پر خدمت گزاری ہو، نمازیں

ہوں، لیکن اللہ کی بینک میں کچھ جمع نہیں ہوگا، کچھ نہیں ملنا ہے، ہاں یہاں کچھ دنیا میں فائدہ ہو جائے گا لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا اس لیے کہ آپ نے کھاتہ نہیں کھولا ہے۔ تو سب سے زیادہ ضروری یہی ہے کیونکہ بغیر اس کے کوئی کام نہیں ہو سکتا اور جب کھاتہ کھل جاتا ہے تو اب اس کے بعد آپ کی بات ہے کہ جس قدر آپ آگے بڑھتے چلے جائیں اور معرفت حاصل کرتے جائیں۔

توحید کی معرفت ضروری ہے

معرفت بھی توحید ہی کی ایک شکل ہے کہ معرفت حاصل ہوتی چلی جاتی ہے اور جتنا تعلق خدا سے بڑھتا چلا جائے گا اتنی ہی اس کی برکتیں حاصل ہوتی چلی جائیں گی اور یہی اصل توحید ہے، یہ نہیں کہ زبان سے کہتے رہیں اللہ رزاق ہے، اللہ رزاق ہے، تنہا یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے، جب اللہ رزاق ہے تو اس کو توحید کے تناظر میں سمجھنا ہوگا کہ کس طرح رزاق ہے؟ اس کو یوں سمجھ لیجیے کہ جس طرح آج کل ڈائننگ ہال بنتے ہیں اس میں ایک چھوٹی کھڑکی ہوتی ہے اس کے پیچھے کھانا ہوتا ہے ادھر مہمان بیٹھتے ہیں پورا ہال بھر جاتا ہے لیکن کھانا نہیں ہوتا ہے، تو جب سب آکر بیٹھ جاتے ہیں، تو جس نے بلایا ہے وہ جا کر کھڑکی سے کہتا ہے کہ اب کھانا بھیج دیجیے، بس کھانا آنا شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ اندر کھانا

رکھا ہوا ہے، ایسے ہی جو توحید کے کا تناظر میں اللہ کو رزاق سمجھ لیتا ہے کہ سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر بس ایک دفعہ خدا کے دربار میں ہاتھ اٹھاتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ آپ ہی رزاق ہیں، تو نوکریاں اس کے پیچھے دوڑتی ہیں، ملازمتیں اس پر برستی ہیں، پیسے کی بوچھار ہوتی ہے، اور اس کو کہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ اور اس میں بھی مختلف درجات ہیں۔

معرفت توحید کے نتائج

حضرت سید احمد شہیدؒ جب یہاں سے تشریف لے گئے اور اسی دریا کو پار کیا اور نکلنے لگے تو انہوں نے کہا میرا رب ہے جو رزاق ہے، اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بھوکا نہیں رکھوں گا تو جتنے پیسے ہیں میں یہیں بانٹے دیتا ہوں۔ سید صاحبؒ نے سب کچھ خرچ کر دیا۔ تو ایک مقام یہ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر عرب کا صحراء ہو، اور ساری انسانیت میرے ساتھ ہو، تو مجھے ایک لمحہ کے لیے تردد نہیں ہوگا کہ کہاں سے کھلاؤں گا۔ اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر تین آدمی بھی بڑھ جائیں تو تردد ہو جاتا ہے کہ کیا کیا جائے گا، یہ وہ توحید ہے، آدمی جب اس کا جام چڑھاتا ہے اور جب اس کا نشہ کا چڑھتا ہے تو یہ مقام ملتا ہے، اور پھر راستہ میں سید صاحب کے ساتھ ایسے ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ حضرت سید صاحبؒ تشریف لے جا رہے ہیں، سارا قافلہ ساتھ ہے،

لوگوں نے کہا کئی وقت کا فاقہ ہو چکا ہے، دعا فرمادیں تو سید صاحب نے فرمایا کہ صبر کرو، تو فرمایا حضرت آپ کا مقام بلند ہے، آپ تو کر لیں گے لیکن اب ہم سے نہیں ہوتا۔ تو سید صاحب مسکرائے اور ہاتھ اٹھائے کہا میرے رب نے مجھ سے بہت سی مہمانیوں کا وعدہ کیا ہے، ایک آج کی بھی رات سہی، بس یہ کہا اور دیکھا کہ سامنے دریا میں کچھ لوگ نظر آئے، سخت سردی تھی نہ اوڑھنے کا سامان تھا، نہ کھانے کا، دریا میں بڑی بڑی کشتیاں نظر آئیں، لوگوں نے کہا رسے پھینکو، بانس ڈالو، تو یہاں سے انہوں نے پھینکے، اور کشتیاں کھینچی گئیں، جب قریب آئیں تو ان میں کھانے پینے کا سامان بھرا ہوا تھا، اور دوسری کشتی میں لحاف بھرے ہوئے تھے کہا اتاریئے اور سید صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ لیجئے استعمال کے لیے، اور دوسری کشتی پر پلنگ اور لحاف تھے وہ اتارے گئے، لوگوں نے خوب کھایا اور اطمینان سے سوئے، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے پوچھا کہ حضرت ان لحافوں کا کیا کریں؟ کہا جو لایا ہے وہ لے بھی جائے گا۔ اس طرح کے ایک دو واقعات نہیں ہیں، بلکہ متعدد واقعات ہیں۔

یہ ہے وہ مقام کہ اللہ کو تو مان لیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں، لیکن وہی رزاق بھی ہے، وہی جبار بھی ہے، وہی قہار بھی ہے، وہی العزیز بھی ہے جب اس کے یہ تمام اسماء سب کھلتے چلے جائیں اور توحید مضبوط ہوتی

چلی جائے یہاں تک کہ کسی کی پرواہ نہ ہو صرف خدا کی طرف نگاہ ہو تو پھر وہ اصل موحد ہے۔

معرفت الٰہی

اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دو تا کہ لوگوں کی زندگی درست ہو اور وہ صحیح راستہ پر لگیں، یہی مطلب اس کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ مجھے پہچانا جائے، تو اس کو پہچاننا ہی توحید ہے کہ وہ کیا ہے؟ اللہ نے مخلوق پیدا کی تو کیوں پیدا کی؟ اس لیے کہ أن أعرف تا کہ میری معرفت بندوں کو حاصل ہو جائے، تو اللہ نے مخلوق کو اسی لیے پیدا کیا تا کہ اللہ کی معرفت حاصل ہو اور توحید ان کے اندر ہو۔

پھر مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد ان کو ایک دوسرے سے وابستہ کیا، کسان کھیتی کر رہا ہے، طباخ کھانا پکا رہا ہے، اور کوئی دکان میں اس کو بیچ رہا ہے، کوئی لا کر دے رہا ہے، اب اگر اس کا ذہن بارش اور سنچائی ہی میں الجھ جاتا ہے اور یہ کہنے لگتا ہے کہ بس میں نے کر لیا تو توحید سے ہٹ جائے گا اور اگر سب کچھ دیکھنے کے بعد اس کی نظر خدا پر ہوتی ہے تو اس کی توحید صحیح سلامت رہے گی کہ اللہ نے اگایا، غلہ دیا اور پھر لوگوں کو مکلّف کیا کہ وہ اس کے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہیے وہ معاملہ کریں، یہاں تک

کہ وہ ہم تک پہنچ گیا۔

پھر ہم نے اسے استعمال کیا لیکن ابھی یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ پیٹ کے اندر جائے گا یا پھنس جائے گا، اندر چلا گیا تو خیریت، ورنہ پھر جانے کے بعد اندر خیریت نہیں رہتی، اور اللہ نے اس کے اندر جو صلاحیتیں رکھی ہیں ان سے آپ فائدہ نہ اٹھا پائیں تو عافیت نہیں ہے، پیٹ میں درد شروع ہو جائے گا، اور تکلیف ہوگی، تو یہاں بھی اللہ ہی پر بھروسہ کرنا ہے کہ وہی کرتا ہے، پھر پیٹ سے نکل جائے بغیر کسی تکلیف کے، تو یہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اسی لیے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا، (یعنی تمام تعریف اس کے لیے جس نے ہمیں کھلایا) کہا گیا ہے اور اس کے (یعنی فراغت کے) بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ، (یعنی تمام تعریف اس کے لیے جس نے ہم سے تکلیف دہ چیز کو دور کیا اور عافیت بخشی) کیونکہ یہ سب توحید کی دعائیں ہیں کہ سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔

توحید کے تقاضے

توحید کوئی معمولی چیز نہیں ہے، لیکن کیونکہ ہم دنیا میں ایسے الجھے رہتے ہیں کہ ہمارے ذہن ودماغ سے یہ باتیں نکل جاتی ہیں اور توحید کا صحیح تصور قائم نہیں ہو پاتا، ورنہ توحید بہت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے، حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ تمام حاجات اللہ ہی سے مانگے، یہاں تک کہ جوتے کا

تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے مانگے۔ یہ دیکھنے میں معمولی بات ہے، یہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ سے کیسے مانگے؟ نمک نہیں ہے وہ بھی خدا سے مانگو، سوئی تاگہ نہیں ہے وہ بھی خدا سے مانگو، لیکن اگر توحید والا بندہ ہے اور اس کے لیے معرفت کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے تو یہ بھی مانگتا ہے، بات یہ ہے کہ سوئی دھاگہ وغیرہ کی بعض دفعہ ایسی ضرورت پیش آجاتی ہے کہ سوائے خدا پر کہیں نظر جاتی بھی نہیں، تب معلوم ہوتا کہ واقعی اللہ ہی سے مانگنا چاہیے، یہ میرے ساتھ پیش آچکا ہے، میں ایک جگہ تقریر کرنے جارہے تھے وہاں ایک کیل نکلی ہوئی تھی وہ پائجامہ میں پھنسی اور پورا پائجامہ پھٹ گیا اور جلسہ میں اسٹیج پر بیٹھنے جارہے تھے، اب جیب میں سوئی دھاگہ ہوتا تو جلدی جلدی سی لیتے، اب نہیں ہے تو خدا ہی سے مانگنا ہے۔ ایسے ہی جوتا کہیں ایسی جگہ ٹوٹ گیا جہاں نہ موچی ہو، نہ جوتے کی دکان ہو، تو اب یہاں پر سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ سے مانگو یعنی چھوٹی چیز جو ہے اس میں بعض دفعہ آدمی ایسی جگہ پھنستا ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کیا کرے؟ اسی لیے اللہ کہتا ہے ہم چاہیں یہاں پر بھی سوئی دھاگہ بھیج دیں، سب ہمارے ہاتھ میں ہیں، خدا سے مانگو، اسی لیے جب توحید والا بندہ ہوتا ہے تو وہ الجھتا نہیں کہ کیا کرے، توحید والا بالکل اطمینان سے بیٹھا ہوتا ہے، تو جب توحید قوی اور صحیح ہوتی ہے تو پوری زندگی اس کی نئی انداز کی ہوتی ہے۔

اسی میں وہ ساری چیزیں بھی ہیں کہ وہ غفور بھی ہے، ستار بھی ہے، ان سب کی ایک ایک کر کے وضاحت کرنا تو لمبا ہے لیکن اللہ کے ایک ایک اسم کو سامنے رکھ کر دیکھتے جایئے اور اللہ کی معرفت حاصل کرتے چلے جایئے اور دل میں توحید بساتے جایئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کی صحیح معرفت بھی حاصل ہوگی، توحید بھی آئے گی، ورنہ توحید کے الفاظ تو رٹتے رہتے ہیں لیکن توحید سے خالی ہوتے ہیں، کہیں اہل ثروت کی چاپلوسی ہے جو توحید کے خلاف ہے، کہیں ظالم و جابر حاکم کے سامنے جھک جانا ہے، اس کے آگے ہیبت کی کیفیت کا طاری ہو جانا ہے یہ توحید کے خلاف ہے۔

دعوت توحید کے اصول

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَ أَهْلِ الْیَمَنِ، قَالَ لَهُ: إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلٰی قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْیَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلٰی أَنْ یُوَحِّدُوا اللّٰهَ، فَاِذَا عَرَفُوا ذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَیْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ یَوْمِهِمْ وَلَیْلَتِهِمْ۔(۱)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارا واسطہ اہل کتاب سے ہوگا، اس لیے سب سے پہلے ان کو دعوت الی التوحید دینا، جب وہ اس کو سمجھ لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ

(۱)صحیح البخاری، کتاب التوحید۔ رقم الحدیث: ۷۳۷۲

رب العزت نے ان پر دن ورات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

فائدہ:- توحید کے باب میں یہ حدیث، اصلاحی اور دعوتی کام کرنے والوں کے لیے بڑی اصولی اور بنیادی حدیث ہے، جس میں تدریج کی طرف بھی اشارہ ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ ترتیب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کام تدریج سے ہوگا ایک دم نہیں ہوگا، دوسرے یہ کہ ترتیب سے ہوگا بے ترتیب نہیں ہوگا، اس لیے کہ انسان جس چیز کا عادی ہوجاتا ہے، اس سے ہٹانے کے لیے تدریج ضروری ہے، آہستہ آہستہ اس کو وہاں سے نکالا جاتا ہے اور یہ انسان کے نظام میں شامل ہے، کوئی شخص اگر کافی دنوں تک بھوکا رہے اور کچھ کھانے کو نہ ملے، تو ایک دم سے اعلی درجہ کی غذا اس کو نہیں دی جاتی، بلکہ پہلے اس کے ہونٹ تر کیے جاتے ہیں، پھر تھوڑا سا پانی یا جوس یا دودھ دیا جاتا ہے، جب معدہ قبول کرنے کے لائق ہوجاتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ وہ غذا کی طرف آتا ہے حالانکہ وہ پہلے غذا کھاتا رہا ہے صرف کچھ دیر کے لیے وقفہ ہوگیا تھا، تو اس میں تدریج کی ضرورت پیش آگئی۔ ایسے ہی کوئی شخص اگر ٹھنڈک سے برف کے علاقہ میں جم جائے، تو اس کو ایک دم سے آگ کے قریب نہیں لاتے، بلکہ پہلے تھوڑی گرمی دیتے ہیں، پھر گرمی کے لائق جب بدن ہوجاتا ہے تو وہ اصل حالت پر آتا ہے، تو جب انسان کے جسم کا یہ حال

ہے تو اندر کی جو خراب عادتیں ہیں جس سے وہ وابستہ رہا ہے، اس سے باہر نکالنے کے لیے بھی یہ دو عمل بہت ضروری ہیں ایک ترتیب کہ پہلے کیا چیز دی جائے، اور دوسرے تدریج کہ پہلے تھوڑا، پھر تھوڑا، پھر تھوڑا، جب یہ دو عمل ہوں گے تو اس کے صحیح اثرات مرتب ہوں گے۔

سب سے پہلے توحید کی دعوت

اگر آپ کو اہل جاہلیت میں، اہل کفر میں، اہل شرک میں کام کرنا ہے، تو سب سے پہلے یہ کہا گیا کہ پہلے ان کو توحید کی دعوت دیں، اس بات کی طرف آئیں کہ اس کائنات کا بنانے والا ایک ہے، ہم سب کا پیدا کرنے والا ایک ہے، کائنات کا چلانے والا، سنسار کو چلانے والا بھی ایک ہے، اور اس کے لیے جو بھی طریقہ ہو خاص طور سے اہل کتاب کا نام لے کر یہ بات کہہ دی کہ جتنی آسمانی کتابیں ہیں سب میں توحید ہے، اگر آسمانی کتاب ہے اور کسی بھی درجہ میں اس کا انبیاء سے اور آسمان سے تعلق ہے، تو اس کے اندر توحید کا ہونا لازمی ہے، اسی لیے انجیل تورات، زبور، اگرچہ تحریفات سے بھری ہوئی ہیں اور اپنی اصل حالت پر نہیں رہ گئی ہیں، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود آج بھی کسی نہ کسی درجہ میں ان میں توحید پائی جاتی ہے، سب کچھ نکالنے کے بعد بھی وہ توحید کے بہت سے اسباب کو

نہیں نکال پائے۔ اور جو کتابیں عمومی طور پر آسمانی کتابیں نہیں کہلاتی ہیں، لیکن ان کے ماننے والوں کے نزدیک وہ آسمانی ہیں، جیسے وید اور بدھسٹوں کی کتابیں، اور جو پرانے مذاہب ہیں ان کی کتابیں ہیں، ان سب میں شرک چاہے کتنا ہو لیکن اگر تلاش کیا جائے تو ابھی بھی توحید کی اس میں باتیں پوری طرح پائی جاتی ہیں، اور جہاں تک ویدوں کا تعلق ہے اس میں تو اتنا غیر معمولی توحید کا مضمون ہے کہ جو محرف شدہ آسمانی کتابیں ہیں ان میں بھی اتنی صفائی کے ساتھ توحید نہیں ہے جتنی ویدوں میں ہے، یہاں تک کہ صاف صاف ان میں لکھا ہے کہ اللہ کا نہ کوئی بیٹا ہے، نہ بیٹی ہے، نہ بیوی ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، وہ تنہا و یکتا ہے، کوئی اس کا ساجھی نہیں ہے، اور اس کی کوئی مورتی نہیں ہے، کوئی شبیہ نہیں ہے، بہت وضاحت کے ساتھ اس میں یہ بات پائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ معلوم ہو رہا ہے کہ ان کو ان کی کتاب یاد دلاؤ کہ تمہاری کتابوں میں توحید ہے، تو آؤ اس توحید کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، جس کو ﴿إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، اور پھر اس کی وضاحت بھی ہے ﴿أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا﴾(آل عمران:٦٤) کہ کسی اور کو اللہ کے علاوہ عبادت کے لائق نہ سمجھیں، اور اللہ کے علاوہ کسی اور کی

پرستش نہ کریں، اور ہم میں ایک دوسرے کو جو حد درجہ غلو کے ساتھ ماننے لگے ہیں، ایک دوسرے کو خدا بنا بیٹھے ہیں، اپنے جیسے انسانوں کو ہم نے بڑا ہونے کی وجہ سے خدا مان لیا، تو اس کو چھوڑ کر ایک دین اور ایک پلیٹ فارم پر آجائیں، جس پر آنے کی دعوت بنانے والے نے دی ہے، اور یہی توحید ہے، تو اس میں ایک تو ترتیب یہ ہے کہ پہلے توحید کی دعوت، دوسرے تدریج ہے، پہلے توحید کی دعوت دو، جب توحید پر آجائیں تو نماز کی دعوت دو، جب نماز پڑھنے لگ جائیں تو زکاۃ کی طرف لاؤ، وغیرہ وغیرہ، یہاں تک کہ پورا اسلام ان کے دل ودماغ میں رچ بس جائے اور اچھی طرح اس کو تسلیم کرلیں، یہ نہیں کہ بس آپ نے ان کو دعوت دی، اور کلمہ پڑھایا اور فوراً ہی ان کو جزئیات کا مکلف بنا کر اسلام ہی سے برگشتہ کردیا، ایسے قصے بہت پیش آئے، اس لیے تدریج اور ترتیب ضروری ہے، اور جو اس کو نہیں سمجھتے وہ کام نہیں کرپاتے، اور ان کے کام سے فائدہ ونفع بھی نہیں پہنچ پاتا، اس لیے اس بات کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔

دعوت میں ترتیب وتدریج کا خیال

اسی لیے حضرت معاذ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو یہ فرمایا کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جس کا واسطہ آسمانی کتب سے ہے، تو تمہارا پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ ان کو ایک اللہ کی دعوت دو، جب ایسا

کرنے لگ جائیں تب بتاؤ کہ دن ورات میں پانچ وقت کی نماز ہے۔

اس میں بھی وہی بات ہے کہ ترتیب بھی ہے، تدریج بھی ہے، اور نماز کو بھی اس انداز سے بیان کرو کہ نماز بوجھ معلوم نہ ہو، ایک طریقہ یہ ہے، اور ایک یہ ہے کہ کہہ دیا جائے کہ دن ورات میں آپ کو اتنی نمازیں پڑھنی ہیں پھر تفصیل بتانا شروع کردے کہ فجر میں چار ہیں، ظہر میں بارہ ہیں، عصر میں آٹھ ہیں، مغرب میں سات ہیں، اور عشاء میں نہ جانے کتنی ہیں، اب اگر ادھر اوابین کو بھی شامل کر دیا تو وہ یہی کہے گا کہ آئندہ آپ کے پاس کبھی نہیں آئیں گے، سنتے ہی بھاگ جائے گا۔ اور ایک یہ ہے کہ کہا جائے پانچ وقت کی نمازیں ہیں، اور پانچ پانچ منٹ کی رکعتیں ہیں تو کہے گا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، پانچ منٹ میں نماز پڑھ لیں گے، اب جب آئے گا تو آہستہ آہستہ خود عادی ہو جائے گا، تو یہاں بھی ترتیب و تدریج بہت ضروری ہے۔

یہ ترتیب وتدریج اصلاح کے کام میں بھی ضروری ہے، اس لیے وہ مصلح کامیاب نہیں ہوتا ہے جو کہ اصلاح کیے جانے والے شخص پر اتنا بوجھ لادے کہ اس کا مسئلہ ہی بنا دے، تو وہ اصلاح کیا ہوگی؟ اس لیے بسا اوقات بات اور بگڑ جاتی ہے، بات بگڑنا نہیں چاہیے، بلکہ آہستہ آہستہ اصلاح ہونا چاہیے، اسی لیے حدیث میں تیسیر کا حکم دیا گیا ہے، تو تدریج

کا، اور ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے، یہ سب الفاظ احادیث میں آئے ہیں یعنی ترتیب بھی ہو، تدریج بھی ہو، تیسیر بھی ہو، تبشیر بھی ہو اور اختلافات سے ان کو بچا کر متفق علیہ مسائل سے وابستہ کرنا بھی ہو، تاکہ شروع میں ہی وہ اس میں نہ الجھنے پائیں۔

اُس وقت بھی یہ مسئلہ پیش آتا ہے جب کوئی اسلام قبول کرتا ہے تو اس کو اسی کے لوگ الجھا دیتے ہیں کہ کون سا اسلام قبول کرو گے؟ ایک شیعوں کا اسلام ہے، ایک بریلویوں کا ہے، ایک حنفی ہے، ایک شافعی ہے، تو آنے والا بے چارہ خود پریشان ہو جاتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ اس کو سیدھا سیدھا اسلام بتایا جائے کہ یہ اسلام ہے، یہ نمازیں ہیں، یہ روزہ ہے، اس کو رکھنا شروع کرو، اس طرح آہستہ سے کو اس لائیں گے، تو وہ چلا آئے گا، لہٰذا سب سے پہلے توحید کی دعوت ضروری ہے، لیکن اس سے بھی پہلے ہماری توحید بھی درست ہونی چاہیے۔

بندوں پر اللہ کا حق

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَا مُعَاذُ! أَتَدْرِیْ مَاحَقُّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ؟ قَالَ: اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ یَعْبُدُوْہُ وَلَایُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا، أَتَدْرِیْ مَا حَقُّھُمْ عَلَیْہِ؟ قَالَ: اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ لَا یُعَذِّبَھُمْ۔(۱)

ترجمہ:- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! کیا تم کو معلوم ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر ارشاد فرمایا: کیا جانتے ہو اللہ پر بندوں کا کیا حق ہے؟ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ہی

(۱) صحیح البخاری، کتاب التوحید۔ رقم الحدیث: ۷۳۷۳

زیادہ جانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے۔

فائدہ :- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ تو انہوں نے صحابہ کے عام معمول کی طرح عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی جانیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی طرح کا شرک نہ کریں، یہ گویا کہ تمام بندوں پر اللہ کا حق ہے۔

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا کہ اگر کسی کو توحید کو جاننا ہے تو وہ سب سے پہلے یہ جانے کہ اللہ ہی تھا جب کچھ نہیں تھا، اور اللہ ہی رہ جائے گا جب کچھ نہیں ہوگا، اس کی اولیت کی بھی کوئی اولیت نہیں، اور انتہا کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے، اس لیے وہی اول حقیقی بھی ہے، اور وہی آخر حقیقی بھی ہے، تو ظاہر ہے کہ جب اللہ ایسا ہے اور اتنی بڑائی والا ہے تو اسی کی عبادت ہونی چاہیے، اور ذرہ برابر شرک نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ قرآن وحدیث دونوں ہی میں شرک کے لیے شَيْئاً کا لفظ آیا ہے، جس کا ترجمہ آسانی کے لیے یہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، بلکہ اصلاً ترجمہ یہ ہے کہ کسی انسان کو، یا کسی بھی چیز کو شریک نہ کرے، شَيْئاً کے لفظ کا یہ مطلب ہے، کیونکہ شرک ناپاکی ہے، گندگی ہے، غلاظت ہے، اور غلاظت تو غلاظت ہی ہے، اگر آپ کے پاس پانچ کلو دودھ رکھا ہو اس

میں ایک کلو پیشاب ڈال دیا تو دودھ کی جو گت بنے گی وہ سب کو معلوم ہے، لیکن اگر دس گرام بھی ڈال دیں تب بھی دودھ گیا، تو شرک کا مطلب یہی ہے کہ کم ہو یا زیادہ ہو، آپ کام سے گئے، اس لیے ذرہ برابر بھی اللہ کے ساتھ شرک ہونا ہی نہیں چاہیے۔

اب اس کا یعنی اللہ کا بندوں کا پر کیا حق ہے، اس کا بدل کیا ہے؟ اس کے لیے فرمایا کہ کیا جانتے ہو کہ بندوں کا حق خدا پر کیا ہے؟ حالانکہ نہ کوئی ہے اور نہ ہی کوئی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ سے اپنا حق جتائے، اس لیے کہ بندوں کا یہ مقام نہیں ہے کہ ان کا حق اللہ پر ثابت ہو، حقوق تو سب خدا کے ہیں، لیکن ہمت افزائی کے لیے اللہ تعالی کی طرف نسبت کی گئی، اس لیے فرمایا کہ اللہ پر بندوں کا کیا حق ہے؟ تو حضرت معاذ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے۔

معلوم ہوا جو شرک نہیں کرے گا اس کو عذاب نہیں ہوگا، جو توحید والا ہوگا اس کو عذاب نہیں ہوگا، اور جو توحید والا ہوگا وہ ہر چیز میں صحیح کام کرنے والا بھی ہوگا، جب اللہ کو مان لے گا تو اس کی صفات کو بھی مان لے گا، اس میں بھی کسی کو شریک نہیں کرے گا، جب نہیں کرے گا تو ظاہر ہے کہ در در نہیں بھٹکے گا، ادھر ادھر نہیں جائے گا، اس کا دل و دماغ کہیں نہیں اٹکے گا،

کسی اور سے وابستہ نہیں ہوگا، جب بھی اس کی نظر اٹھے گی تو خدا ہی کی طرف اٹھے گی، جب بھی اس کے قدم بڑھیں گے تو خدا کی طرف بڑھیں گے، جب بھی کسی چیز کا خیال آئے گا تو پہلے خدا کا خیال آئے گا، جب ایسا ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ غلط کام نہیں کرسکتا، پھر عذاب کہاں سے ہوگا؟!

توحید کے اثرات

جب توحید پوری طرح آتی ہے تو انسان کو انسان بنا دیتی ہے، انسان کے اندر وہ صفات پیدا کردیتی ہے جس سے اس کی انسانیت چمک جاتی ہے، کیونکہ عبدیت اس کے اندر آجاتی ہے اور جب عبدیت آتی ہے تو اس کے اندر سے وہ صفات جن سے فساد پیدا ہوتا ہے خود بخود زائل ہوجاتی ہیں؛ مثلاً تکبر اور گھمنڈ سے فساد پیدا ہوتا ہے، خود کو کچھ سمجھنے سے فساد پیدا ہوتا ہے، جب یہ چیزیں عبدیت کے ظاہر ہونے کے بعد زائل ہوگئیں تو فساد بھی ختم ہوگیا، اور جب فساد نہیں ہوگا تو عذاب بھی نہیں ہوگا، گویا کہ حقیقت توحید کو سمجھ لینے کے بعد آدمی اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ آدمی سے غلطی ہوتی ہی نہیں ہے، یعنی جب اس کو اللہ کا استحضار ہوگا کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ غفار بھی ہے، ستار بھی ہے، تو اگر کبھی غلطی ہو بھی گئی اور کئی کئی مرتبہ

بھی ہو گئی تو فوراً وہ اللہ سے معافی مانگے گا، اور اللہ سے ہاتھ جوڑ کر توبہ کرلے گا، اور ایسا شخص معافی کے بعد گناہوں سے بالکل ڈھل جائے گا، تو یہاں اس ترتیب کو بتایا گیا ہے کہ پہلے توحید کی دعوت، پھر نماز کی دعوت، پھر زکاۃ کی، اور پھر دوسری چیزوں کی طرف دعوت دی جائے گی، نہیں کہ ایک ہی دن میں ان کو ہر چیز کا مکلّف بنا دیا جائے اور ان کو یہ آرڈر دیا جائے کہ فوراً وہ سارے کام کریں جو ابھی ان کے لیے بالکل غیر طبعی ہیں، اور ان کو ابھی یہ اعمال کرنا بھی مشکل ہے، کیونکہ یہ غیر نفسیاتی چیز ہے اس لیے کہ وہ بھی پوری طرح اس پر قابو نہیں پا سکتا، کیونکہ وہ جانتے بھی نہیں کہ توحید حقیقی کیا ہے۔ تو نماز کیسے پڑھے گا؟ اس لیے پہلے سیکھے گا، پھر پڑھے گا، اور اس میں وقت لگے گا، تو پہلے سکھایا جائے گا پھر دوسری چیز کی طرف لایا جائے گا، جب یہ کیا جائے گا تو دعوت واصلاح کے فوائد سامنے آئیں گے، لیکن یہ ہر ایک کا مقام نہیں ہے، جب اللہ کسی کو اس مقام پر پہنچاتا ہے تو ترتیب اور تدریج کے جو مراحل ہیں وہ اس کے لیے کھول دیتا ہے، اور پھر مقامات اس کے لیے واضح ہو جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بہتر سے بہتر کام کرنے لگتا ہے۔

لیکن ہر مصلح کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس طرح کی چیزیں کرے، اس لیے کہ آپ جب کریں گے تو اس کا نتیجہ کچھ اور ہی ہوگا، یہ چیز تو اسی

مقام کے آدمی کے لیے ہے۔

ایک مثال

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا واقعہ ہے کہ ایک بار ان کے پاس ایک دیہاتی بیعت ہونے کے لیے آیا، مولانا اس وقت نابینا ہو گئے تھے، تو مولانا نے اس کو توبہ کے الفاظ کہلوا دیئے جو کہلوائے جاتے ہیں، جب سب کہہ چکا، تو دیہاتی کچھ اکھڑ مزاج تھا، کہنے لگا: آپ نے ہر چیز تو کہلوا دی، لیکن جو میں کرتا ہوں وہ نہیں کہلوایا، کہا کیا کرتے ہو؟ کہا افیم کھاتا ہوں۔— مولانا تو بہت بڑے مصلحین کبار میں سے ہیں، اگر پورے ہندوستان کے مصلحین کبار کی مختصر ترین فہرست بنائی جائے، تو مولانا کو کوئی نہیں نکال سکتا— مولانا مسکرائے اور قریب بلایا، اور پھر اس سے کہا کتنی کھاتا ہے؟ تو اس نے مٹی کا گولا بنایا اور مولانا کے ہاتھ میں رکھا کہ اتنی کھاتا ہوں، مولانا نے اس کو ٹٹولا اور کہا اتنی کھا اتنی نہ کھا، اب اگر اس وقت کوئی اور ہوتا تو کہتا کہ اچھا افیم کی اجازت دوں؟ لیکن در حقیقت یہ اجازت نہیں ہے، اب اس کے سمجھنے کے لیے فہم دقیق، اور حکمت بالغہ چاہیے، اور جس کو یہ حاصل نہیں ہوگی، وہ یہ کام نہیں کر سکتا، اور کرے گا تو غلط کرے گا، لیکن حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ جیسے

مقام والے کے لیے اس کی اجازت تھی۔

افیم اور دیگر نشہ آور چیزوں کا یہ خاصہ ہے کہ جو ایک دو گولی کھاتا ہے اس کو ایک گولی سے فائدہ نہیں ہوگا، نشہ کے لیے تین گولی چاہئیں، دو والے کو تین چاہئیں تاکہ نشہ مزید آجائے، اور جو دو کا عادی ہے اس کو ایک سے نشہ ہی نہیں ہوگا، اور یہ مولانا جانتے تھے کہ افیم بڑھتی ہے گھٹتی نہیں، تو مولانا نے گھٹا دیا کہ جب کم کھائے گا، تو نشہ نہیں آئے گا، اور پھر ایک دن خود ہی نہیں کھائے گا، اور اگر مولانا منع کر دیتے، کہ میں افیم سے توبہ کراتا ہوں، تو نشہ والے آسانی سے توبہ کرتے نہیں ہیں، اگر کرلیں گے تو عمل نہیں کرتے، مولانا نے اس پر ایسا عمل کیا کہ بظاہر توبہ نہیں کرائی لیکن توبہ بھی کروادی، یہ حکمت وتدریج کی بات ہے، چنانچہ جب وہ لے کر بیٹھا تو کہنے لگا اس سے میرا کیا بھلا ہوگا؟ حرام بھی ہے، اور فائدہ بھی نہیں، تو اس نے اس کو بھی پھینک دیا اور سچا تائب ہوگیا، یہ ہے حکمت، مولانا نے دیکھ لیا تھا کہ اگر اس سے کہیں گے نہیں کھا، تو کھائے گا اور کہیں گے کھاؤ تو نہیں کھائے گا، تو اس لیے کہا کھاؤ، تاکہ نہ کھائے، تو یہ بہت باریک بات ہے، لیکن تدریج اور ترتیب میں یہ امر ضروری ہے، اس کے بغیر دعوت کا کام بھی نہیں ہوتا، اور آدمی صحیح راستہ پر بھی نہیں آسکتا۔

غیب کی پانچ کنجیاں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا؛ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ خَمْسٌ؛ لَا یَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ، لَا یَعْلَمُ مَا تَغِیْضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا یَعْلَمُ مَتٰی یَأْتِیْ الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِأَیِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا یَعْلَمُ مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلَّا اللّٰهُ۔(۱)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غیب کی پانچ کنجیاں ہیں، جن کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، رحم مادر میں کیا چھپا ہے، اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور کل کیا ہونے والا ہے اس کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور بارش کب ہوگی اس کو بھی اللہ کے علاوہ کوئی

(۱) صحیح البخاری، کتاب التوحید۔ رقم الحدیث: ۷۳۷۹

نہیں جانتا، اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کی جگہ کہاں متعین ہے سوائے اللہ کے، اور یہ بھی کسی کو نہیں معلوم کہ قیامت کب آئے گی، سوائے اللہ کے۔

فائدہ:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیب کی پانچ کنجیاں ہیں یعنی غیب دانی اور غیب سے واقفیت ظاہر کرنے کے لیے انہی چیزوں کا سہارا لیا جاتا ہے، اور اکثر وبیشتر لوگ اپنی پیشن گوئیاں انہی سے وابستہ کرتے ہیں، اور یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ نے اپنے ہاتھ میں سراسر رکھی ہیں، ان سے غیب وابستہ سمجھا جاتا ہے، تو یہ خاص طور سے فرمادیا کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اللہ کے علاوہ ان کو کوئی جان ہی نہیں سکتا۔

رحم مادر کا علم

ان میں سے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے؟ اس کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، بچہ ہے یا بچی ہے، ناقص ہے یا کامل ہے، حسین ہے یا بدصورت ہے، بڑھے گا، توانا ہوگا یا نہیں ہوگا، چھوٹا رہ جائے گا، یا قد اس کا چھ فٹ کا ہوگا یا سات فٹ کا ہوگا، اس کے اندر کیا کیا صلاحیتیں ہیں، کن صلاحیتوں کو لے کر آرہا ہے؟ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں

جانتا، اور آج کل جو رحم مادر میں مشین سے دیکھ کر بتا رہے ہیں اس پر کبھی کبھی اشکال ہو جاتا ہے، میں علی گڑھ گیا تو وہاں کے جو لائبریرین ہیں میرا ان کے پاس جانا ہوا، انہوں نے کہا آپ مولوی معلوم ہوتے ہیں ایک حدیث میں آتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے کوئی نہیں جانتا، لیکن مشین سے دیکھ کر تو معلوم ہو جاتا ہے کہ نر ہے یا مادہ ہے۔ تو ہم نے کہا آپ نے ہی اس کا مسئلہ حل کر دیا، اب کیا سوال کر رہے ہیں؟ ہم نے کہا آپ ہی نے کہا کہ "دیکھ کر بتا دیتے ہیں"، دیکھ کر بتانا یہ غیب کہاں ہوا؟ بغیر دیکھے بتایئے اور مشین نہ لگایئے تو غیب ہے، کہا ایسے تو نہیں بتا پائیں گے، اور مشین لگا کر بھی غلط بتا رہے ہیں، اسی طرح بچہ پیٹ میں ہے آپ پیٹ کو پھاڑ دیں، پھر بتائیں کہ لڑکا تھا، تو اب دیکھ لیا تو بتا دیا، اس میں کیا کمال ہوا، کمال تو یہ ہے کہ بغیر دیکھے بتائیں، جیسے بارش نہیں ہوئی ہو، اور بادل نظر آرہے ہوں، اب جب ہو جائے تب آپ بتائیں کہ ایک انچ ہوئی یا دو انچ ہوئی، لیکن آپ پہلے بتا دیجئے کتنے انچ ہوگی؟ تو ایسا نہیں بتا سکتے، بادل دیکھ کر اتنا تو بتا سکتے ہیں بارش ہوگی۔

تو اسی طرح آثار دیکھ کر بتاتے ہیں کہ بچہ ہوگا، صرف امیدیں ہوتی ہیں، لیکن حقیقت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا، تو ایسے ہی دیکھ کر بتا دینا یا جس نے دیکھا ہے وہ بتا دے اور آپ بتا دیں، جیسے بعض اللہ کے نیک

بندے خواب میں دیکھ کر بتا دیتے ہیں کہ کیا ہونے والا ہے لڑکا یا لڑکی؟ تو یہ ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جب وصال ہونے لگا تو انہوں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ تمہارا ایک بھائی ہونے والا ہے اس کا بھی جائداد میں حصہ ہوگا، تو اب جب حضرت ابوبکرؓ نے بتا دیا تو ظاہر ہے اللہ نے ان کو بتا دیا تھا، جو سب کچھ جانتا ہے اس نے بتایا ہے، تو ایسے ہی مشین سے دیکھ کر بتانا کوئی کمال نہیں ہے، کمال تو یہ ہے کہ بغیر دیکھے بتایا جا سکے کہ رحم مادر میں کیا ہے؟

مستقبل کا علم

ایسے ہی کل کیا ہونے والا ہے یہ کوئی نہیں جانتا، یہ سب بالکل الگ الگ چیزیں ہیں، آج سب حیرت میں ہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے کوئی نہیں جانتا، کہ کون گرے گا؟ کس کی ہڈی ٹوٹے گی؟ کس کے سر پر پتھر گرے گا کہ سر پھٹ جائے گا، اور کون ترقی کرے گا، کس کو پروانہ ملے گا؟ یہ سب چیزیں کوئی نہیں جانتا، یہ سب بالکل غیب الغیب میں ہیں، ساری چیزیں پردے کے پیچھے ہیں، اس لیے آدمی بس اللہ سے بھلائی مانگتا رہے کہ جو آنے والا دن ہے وہ بہتر ہو، باقی جانتا کوئی کچھ نہیں ہے،

فالج ہوجاتا ہے، بیماریاں ہوجاتی ہیں، اچانک اٹیک ہوجاتا ہے، یہ کہاں سے ہوگیا؟ کوئی نہیں جانتا تھا۔

نزول برسات کا علم

اسی طرح بارش کب ہوگی، کوئی نہیں جانتا ہے، اس میں وہی بات ہے، بارش کب ہوگی بادل آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں بارش نہیں ہوتی، اور دھوپ نکلی ہو لیکن بادل آیا بارش ہوجاتی ہے، اب کتنی ہوگی یا نہیں ہوگی یہ کوئی نہیں جانتا، بعد میں ناپ کر بتاتے ہیں کہ اتنی انچ بارش ہوئی۔

موت کا علم

اسی طرح کوئی یہ نہیں جانتا کہ کب اور کہاں اس کی موت واقع ہوگی، کس سرزمین میں اس کی موت واقع ہونے والی ہے، اس کے بھی عجیب وغریب واقعات ہیں کہ آدمی پریشان ہوتا ہے کہیں چلا جاتا ہے، ملک کے پارٹیشن میں اس کے کتنے واقعات وابستہ ہیں، ہزار چاہنے کے باوجود آدمی پتہ نہیں کہاں جا کر مرے، اور کیسے مرے؟ کوئی ایکسیڈنٹ میں جارہا ہے، کوئی اٹیک میں جارہا ہے، کوئی کسی اور مرض میں جارہا ہے، کوئی کسی اور طریقہ سے جارہا ہے، کوئی کہاں جارہا ہے کچھ پتہ نہیں۔

حضرت سلیمانؑ کے دور کا واقعہ ہے ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ تشریف

فرماتے اور ملک الموت آئے اور ان کے پاس ایک صاحب اور بیٹھے ہوئے تھے، ملک الموت نے کہا اس شخص کی روح فلاں جگہ سینکڑوں میل دور پر قبض کرنا ہے، وقت قریب ہے اور یہ یہاں بیٹھا ہوا ہے، اور آرڈر یہ ہے کہ اس کی روح وہاں قبض کی جائے، بس ایک دم سے اس کو گھبراہٹ ہوئی اور اس نے کہا حضرت میں وہاں جانا چاہتا ہوں، حالانکہ کوئی وجہ نہیں تھی، تو حضرت سلیمانؑ مسکرائے کہ موت اس کو لے جارہی ہے، تو اپنے تخت کو آرڈر دیا کہ اس پر بیٹھ جاؤ اور اڑ کر وہاں پہنچ جاؤ۔

ایسے ہی آج کل جہاز ہیں کہ آج کل لوگوں کے کتنے واقعات ہیں کہ یہاں سے اڑ کر گئے اور وہاں انتقال ہو گیا، معلوم ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز سے گئے تھے موت کے لیے، تو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کس سرزمین میں کس کی موت واقع ہو گی؟

قیامت کا علم

اسی طرح اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟ اور جو جاننے کے دعویدار ہیں وہ سب جھوٹے ہیں، کب آئے گی، اس کی علامات بتا دیں، جیسے بارش کی علامات ہیں ایسے ہی قیامت کی علامات ہیں، ہر چیز کی علامات ہیں، ان کو جو جتنا زیادہ جانتا ہے اتنا سمجھتا ہے کہ وہ

چیز قریب ہے، جیسے بارش ہی ہے اس کی علامات جو جانتے ہیں وہ بتا دیتے ہیں کہ بارش ہونے والی ہے، لیکن ضروری نہیں ہے، بعض دفعہ معلوم ہوا بارش ہونے والی ہے لیکن نہیں ہوئی، اور بعض دفعہ اس کا برعکس بھی ہو جاتا ہے، لیکن بڑے ماہرین بتا دیتے ہیں کہ بارش ہوگی، لیکن یہ بھی کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ استثناءات ہیں، اس لیے آدمی کو اس بات پر پورا یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے، جو غیب کا جاننے والا ہو کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ کس کی موت کہاں واقع ہوگی؟ قیامت کب آئے گی؟ اور ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ، یہ سب اور اس کے علاوہ بھی جو غیب کی چیزیں ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا یہ بھی توحید ہے، اور جو لوگ ادھر ادھر کی غیب کی خبریں بیان کرتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے، بس ان کو بعض چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں اور پھر وہ اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر اس میں بہت کچھ ہانکتے رہتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان کو غیب کا علم ہے، لیکن یہ حتمی اور صحیح بات نہیں ہوتی کہ اس پر یقین یا اعتبار کیا جا سکے، اصل تو اللہ کی توحید ہے کہ تمام خبروں کا جاننے والا بھی اسی کو مانا جائے۔

کارساز حقیقی

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ فِيْ إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ، قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ"۔(۱)

ترجمہ:۔ حضرت زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں فجر کی نماز پڑھائی جب کہ رات کو بارش کے ہونے کے نشانات تھے، تو آپ نے نماز سے

(۱) رواہ مسلم، کتاب الایمان۔ رقم الحدیث: ۲۳۱

فراغت کے بعد ارشاد فرمایا: کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بندوں نے اس حال میں صبح کی کہ کچھ میرے اوپر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ انکار کرنے والے ہیں، تو جس نے یہ کہا کہ بارش محض اللہ کے فضل سے ہوئی تو وہ میرے اوپر ایمان رکھتا ہے، ستاروں کا انکاری ہے، اور جس نے کہا کہ بارش فلاں برج کی وجہ سے ہوئی، تو اس نے میرا انکار کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

فائدہ:۔ توحید کے درجات میں ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہر کام کو اللہ کی طرف منسوب کیا جائے، کیونکہ کام بنانے والا وہی ہے اور جہاں بھی جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی کے کرنے سے ہو رہا ہے، اسی کی اجازت سے ہو رہا ہے، تو کسی اور کی طرف کام کو منسوب کرنا یہ بھی توحید کے منافی ہے، اور جب یہ نسبتیں کچھ بڑھ جائیں اور دل ودماغ میں بھی بس جائیں تو پھر ان کے اوپر نکیر کرنا بھی ضروری ہے، جیسے کہ ابتدائی دور میں جاہلیت میں عربوں کا یہ خیال تھا کہ بارش چاند کے مختلف شکل میں آنے سے ہوتی ہے، چاند کے بہت سے منازل ہیں جہاں سے وہ گزرتا ہے، ان منزلوں میں گزرنے اور خاص خاص منزلوں پر پہنچنے سے وہ سمجھتے تھے کہ بارش ہوگی، تو یہ کہتے تھے

دیکھو! یہ فلاں ستارہ میں پہنچ چکا ہے، اب بارش ہوگی، تو اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ نکیر فرمائی، کیونکہ یہ بات ان کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ اس کے ہونے سے ایسا ہوتا ہے، حالانکہ یہ سب اللہ کی اجازت سے ہوتا ہے کہ بارش کہاں اور کتنی ہوتی ہے۔ اللہ کی طرف سے اگر اجازت نہ ہو تو بارش نہیں ہوسکتی، تو چونکہ جاہلیت میں نسبت بہت بڑھ گئی تھی اور گویا کہ اسباب کو انہوں نے مسبب الاسباب بنالیا تھا، بلکہ رب کا درجہ دے دیا تھا، تو ان کے ذہن ودماغ سے شرکیہ خیالات کو دور کرنا لازمی تھا۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہورہا ہے کہ کچھ بندے میرے مومن ہوئے کچھ کافر ہوئے۔ پھر فرمایا کہ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل سے بارش ہوئی ہے، وہ تو ایمان والے ہیں، اور جنہوں نے کہا کہ نچھتر کی وجہ سے ہوئی ہے وہ کافر ہیں، وہ ستارے پر ایمان لانے والے ہیں، اور میرا انکار کرنے والے ہیں، اور جو اللہ کے فضل اور اس کی اجازت کی طرف نسبت کرے گا وہ مومن ہے، اور یہ نسبتیں ہر جگہ ہیں، یہاں تو ایک روایت بیان کردی گئی ہے، لیکن اب جہاں جہاں یہ نسبتیں اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے غالب آرہی ہوں گی اس کو جاننا چاہیے۔

ہوالشافی

آج کل کے دور میں میڈیکل سائنس کی ترقی کی وجہ سے اور لوگوں

کی ظاہری آنکھوں کے دیکھنے کی وجہ سے کہ فلاں کو فلاں ڈاکٹر سے فائدہ ہورہا ہے، تو یہ کہنا کہ "ڈاکٹر ٹھیک کردیتا ہے" آج کثرت سے لوگ یہ لفظ استعمال کرتے ہیں کہ فلاں ڈاکٹر کے پاس جاؤ، وہ ٹھیک کردے گا، حالانکہ ڈاکٹر کہاں سے ٹھیک کردے گا؟ ڈاکٹر بے چارے کے پاس کیا ہے؟ کہ وہ ٹھیک کردے، کس بنیاد پر کرے گا، اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، صرف جان لینے کا نام ڈاکٹر ہے، آپ جان لیجئے تو آپ ڈاکٹر ہوجائیں گے، تو جان لینے سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ شفا بھی کرجائے گا، جیسے نیم کا درخت ہے آپ جان لیجئے کہ یہ کڑوا ہے اور یہ فلاں فلاں چیزوں میں مفید ہے اللہ نے اس کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے، کہ اس سے شفا حاصل ہوسکے، اب ڈاکٹر یہ کہنے لگے کہ میں نے فائدہ پہنچایا، نیم کی پتی کاٹ کر، پیس کر کسی کو دے دیں، اور اس کو فائدہ ہوگیا اب آپ سمجھیں کہ میں نے اس کو فائدہ پہنچایا، اور وہ یہ سمجھا کہ ڈاکٹر نے ٹھیک کردیا ہے، تو ایسے ہی وہ ساری دوائیں جو ڈاکٹر دیتا ہے اس کا صرف اس کو علم ہوتا ہے، لیکن ساری دوائیں تو خدا ہی کی نازل کردہ ہیں، اور خدا ہی کی طرف سے آئی ہیں۔

ایک شخص بیمار تھا تو غالباً حضرت موسیٰ کے قصوں میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ سے انہوں نے کہا کہ فلاں بیماری ہے تو حضرت موسیٰ کو

الہام ہوا، ان سے درخت نے کہا کہ میری پتی میں یہ خاصیت خدا نے رکھی ہے کہ اس کو شفا ہو جائے گی، تو انہوں نے توڑ کر دی تو فائدہ ہو گیا، پھر ایک مریض اور آئے ان کو بھی وہی پتی دی، تو فائدہ نہیں ہوا، اب یہیں پر یہ بات بتا دی گئی کہ پتی سے فائدہ نہیں ہے بلکہ اذن الٰہی سے فائدہ ہے، اور یہ بات جتنی ذہن میں آجائے گی اتنا ہی وہ موحد ہے۔

ہمارے دادا حضرت مولانا کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ کے پاس ایک صاحب آئے، ان کو پیٹ کا کچھ مرض تھا، تو ان کو جو دوا دی، اس سے بہت فائدہ ہوا، پھر دوسرا مریض آیا جس کو وہی شکایت تھی، تو انہوں نے سوچا کہ جب پہلے مریض کو یہی مرض تھا اور اس دوا سے فائدہ ہو گیا تھا تو اس کو بھی یہی شکایت ہے، یہی دوا اس کو بھی دیے دیتے ہیں، جب دی تو اس کو فائدہ نہیں ہوا، تو فرمایا مجھے احساس ہو گیا کہ پہلے مریض کو دوا یہ سوچ کر دی تھی کہ اللہ شفا دے گا، اور دوسرے کو یہ سوچ کر دے دی تھی کہ اس دوا سے فائدہ ہو جائے گا تو اللہ نے دکھا دیا کہ دوا سے فائدہ نہیں ہو گا، بلکہ جب ہماری طرف سے اذن ہو گا تبھی فائدہ ممکن ہے۔

مختار کل

اسی لیے اللہ کے نیک بندے کسی کام کو اپنی طرف منسوب بھی نہیں

کرتے، اس لیے کہ ان کو معلوم ہے کہ جو کیا وہ اسی کی وجہ سے کیا، اور جو ہوگا وہ اسی کی وجہ سے ہوگا، اپنا کچھ نہیں ہے، جو ہوا وہ ان کے کرم سے ہوا، تو جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں وہ اس سے بھی بچتے ہیں کہ یہ کہا جائے کہ میں نے کیا، یا یہ کہیں کہ ہم نے کیا، ان کی زبان سے آپ یہ نہیں سنیں گے، بلکہ وہ کہیں گے کہ اللہ کے فضل سے ہوگیا، اور جو کہتا ہے کہ اللہ کے فضل سے ہوگیا وہی ایمان والا ہے، اور جو یہ کہے میں نے کردیا، میرے کرنے سے ہوگیا، فلاں چیز کی وجہ سے ہوگیا، تو اس کے اندر بوئے شرک پائی جاتی ہے، اسی لیے جو صاحبانِ توحید ہوئے ہیں ان کی زبان پر کبھی بھی "میں" اور "ہم" نہیں آیا۔

حضرت مولاناؒ کو میں نے کبھی بھی پوری زندگی یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ "میں نے کیا" یا "ہم نے کیا"، حالانکہ یہ بہت مشکل کام ہے، کیونکہ آدمی کبھی نہ کبھی بھول ہی جاتا ہے، کسی کو راستہ بتایا اور وہ صحیح راستہ پر لگ جائے تو کہہ ہی دیتا ہے کہ میں نے ہی بتایا ہے، لیکن وہ لوگ کبھی اس طرح کی بات نہیں کہتے تھے، حضرت مولاناؒ نے کبھی پوری زندگی یہ لفظ استعمال نہیں کیا، ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ اللہ کے فضل سے ہوگیا، اللہ نے کرادیا، اسی لیے یہ ایمان والی بات ہے اور وہ کافرانہ بات ہے، اس میں شرک کی بو بسی ہوئی ہے، اس لیے آدمی کو اپنے کو ہر قسم کے شرک سے بچانا چاہیے،

اور ہمہ وقت اللہ پر نگاہ ہونی چاہیے کہ اللہ کی توحید اور اس کی معرفت مل جائے، کیونکہ اس کے بعد اس کو ہر جگہ اللہ ہی نظر آتا ہے اور ایسا شخص پریشان نہیں رہتا ہے، پریشان اس وقت ہوتا ہے جب یہ کہے کہ میں نے کیا، اور جب کہے کہ خدا نے کیا، وہ حکیم و دانا ہے، تو غلط بھی کرے گا پھر بھی ہو جائے گا، اسی لیے ایسا شخص ایک جملہ میں مطمئن ہو جاتا ہے، اور ویسا شخص پوری زندگی ایسے ہی رہتا ہے، بات وہی ہے کہ معرفت والا کبھی بھی خلجان میں مبتلا نہیں ہوگا، اور جو توحید سے الگ ہے جس کے اندر حقیقت توحید ابھی نہیں آئی ہے اور اس کو سمجھا نہیں ہے وہ ہمیشہ پریشان رہے گا، اس لیے پریشان نہیں ہونا چاہیے، ہمیشہ اللہ کا فضل ہی بتانا چاہیے کہ یہ اللہ کا فضل ہے جو کرا رہا ہے، تو ہر جگہ یہی ہے کہ جہاں بھی جو کچھ ہے سب اللہ کا فضل ہے۔

جاہلی رسومات اور نبوی تعلیمات

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّي حَدِيْثُ عَهْدٍ بِالْجَاهِلِيَّةِ وَقَدْ جَاءَ اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ، وَ إِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَأْتُوْنَ الْكُهَّانَ، قَالَ: "فَلَا تَأْتِهِمْ" قُلْتُ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ؟ قَالَ: "ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ"، قُلْتُ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ؟ قَالَ "كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ، فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ"(۱)

ترجمہ:- حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ابھی ہمارا جاہلیت سے قریب کا واسطہ ہے، اور اللہ نے ہم کو اب اسلام کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے، اور

(۱)صحیح مسلم، کتاب المساجد ....رقم الحدیث: ۱۱۹۹

ہم میں کچھ لوگ ہیں جو کاہنوں کے پاس آتے جاتے ہیں، (اس کا کیا حکم ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا: ان کے پاس نہ جاؤ، فرماتے ہیں میں نے پوچھا کہ ہم میں سے کچھ لوگ فال لیتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: یہ ایسی چیز ہے جس کو وہ اپنے دلوں میں محسوس کرتے ہیں، تو ان کو اس سے نہ روکو، فرماتے ہیں پھر میں نے سوال کیا کہ ہم میں سے کچھ لوگ خط کھینچتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلے ایک نبی خط کھینچا کرتے تھے، تو اگر کسی کا خط ان کے موافق ہو جائے تو درست ہے۔

فائدہ:- حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگ نو مسلم ہیں، اور ایام جاہلیت میں رہنے کی وجہ سے اس سے ہمارا رابطہ رہا ہے، تو ہمارے یہاں بہت سے کام ہوا کرتے تھے لیکن اب اسلام آگیا اور چونکہ وہ اپنی تعلیمات کو لے کر آیا ہے، اپنے احکامات کو لے کر آیا ہے، تو اب ہم ایسے میں کیا کریں؟ تو چند باتیں انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیں؛ ان میں سے یہ بھی کہا کہ ہم میں کچھ لوگ تقدیر معلوم کرنے کے لیے کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، تو وہ بتاتے ہیں کہ تم ناکام ہو، وہ شخص کامیاب ہوگا، تم جو کاروبار کرنے جا رہے ہو اس میں تم کو نفع ہوگا یا نقصان

ہوگا، تمہارا مستقبل کیا ہے وغیرہ وغیرہ، حالانکہ یہ محض اپنے آپ کو خلجان میں مبتلا کرنے والی بات ہے، بے عقلی ہے کہ آدمی بلا وجہ اپنے مستقبل کے بارے میں معلوم کرے، جب کہ کسی کو معلوم ہی نہیں ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے، تو دعوی کرنے والا سراسر جھوٹا ہے، لیکن کچھ چالاک قسم کے لوگ ہوتے ہیں، کچھ علامتیں دیکھ کر، اور کچھ چیزیں محسوس کر کے وہ کچھ باتیں کہتے ہیں، اس میں کچھ صحیح ہو جاتی ہیں، تو لوگ سمجھتے ہیں کہ عجب آدمی ہے اس کو کل کی بات معلوم ہو گئی، حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے، اگر کوئی غور کرے تو خود اس کے ہی ذہن میں بہت سی باتیں آتی رہتی ہیں، لیکن وہ کٹتی رہتی ہیں، اور اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اس لیے بہت سی وہ باتیں جو بالکل متعین طور پر معلوم ہیں کہ کل وہ ہونا ہے، لیکن نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سب کچھ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، آپ کیوں بلا وجہ کاہنوں کے پاس جا کر اپنے کو خلجان میں مبتلا کرتے ہیں، کوئی ہاتھ دکھا رہا ہے، کوئی بہت سی چیزیں ان کے سامنے بیان کر کے اپنے مستقبل کے بارے میں پوچھ رہا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس مت جاؤ، یہ بلا وجہ کا خلجان ہے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکیمانہ جواب دیا، یعنی بلا وجہ کا کام ہے کیوں کر رہے ہو، اگر کوئی معقولیت ہوتی اور کچھ فائدہ ہوتا تو سمجھ میں آتا کہ جانا ضروری ہے، جب کچھ بھی نہیں ہے تو مت جاؤ۔

بدشگونی کی ممانعت

صحابی فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جو شگون لیتے ہیں، چونکہ یہ بھی انسان کا مرض ہے، کہ شگون کی ایک دنیا ہے، کوئی لکھنوی شگون ہے، کوئی لاہوری شگون ہے، کوئی حیدرآبادی شگون ہے، کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے، کہیں کسی کو کوا نظر آگیا تو پریشان، کہیں بلی نے راستہ کاٹ دیا تو پریشان، کہیں الّو آکر بیٹھ گیا تو پریشان، کوئی بدصورت نظر آگیا تو پریشان، غرض کہ اتنی تعداد میں یہ چیزیں ہیں کہ جن کا احصاء ممکن نہیں ہے، ہر گھر میں الگ الگ ہے، تو آپ نے اس میں اس کا بھی نفسیاتی علاج بیان فرمایا کہ یہ دل کی ایک چیز ہے، ایسا نہیں ہے کہ ذرا سا بھی کچھ ہو جائے تو کہنے لگیں کہ اب آگے نہیں جائیں گے۔

ہمارے ایک عزیز آفس میں کام کرتے تھے ان کے ساتھ ایک غیر مسلم بھی تھا، ایک روز دونوں لوگ صبح کو آفس اپنی اپنی سائیکلوں سے جا رہے تھے، اچانک سامنے سے ایک بلی گزر گئی، تو وہ صاحب بولے، کہ بھائی آج میں تو آفس نہیں جاؤں گا، انہوں نے دریافت کیا، کیوں نہیں جائیں گے؟ بولے کہ ابھی سامنے سے بلی گزر کر گئی ہے، آج کچھ نہ کچھ کھوٹا ضرور ہوگا، تو انہوں نے کہا کچھ نہیں ہوگا، ہمارے سامنے سے بھی نکل کر گئی ہے، آپ آفس ضرور چلیئے، چھٹی نہ کیجیے، تو وہ بہت ڈرتے

ڈراتے گئے، اور پورا دن صحیح سے گزرا، جب لوٹنے والے تھے، اتفاق سے ان کو آفس میں بلب لگانا تھا تو جب لگایا فوراً وہ کرسی سے گر گئے، اور ہاتھ ٹوٹ گیا، کہنے لگے اسی لیے میں نے کہا تھا کہ آج بلی سامنے سے نکل کر گئی ہے تو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔

لیکن اب جب یہی دماغ میں گھسا رہتا ہے کہ نقصان ہوگا تو اسی لیے ہو بھی جاتا ہے، اس لیے اس کو درست رکھنے کی ضرورت ہے، میں خود پنجاب سے گزر رہا تھا، اچانک ہمارے ہندو ڈرائیور نے اندھیرے میں گاڑی روک دی، اور باہر نکل کر نہ جانے کیا کیا کرنے لگے؟ ہم نے پوچھا کہ کیا ہو گیا؟ کہنے لگا آپ نے دیکھا نہیں ایک بلی تھی، جو سامنے سے گزر کر گئی ہے، ہم نے کہا کچھ نہیں ہوگا، نہ کتے سے، نہ بلی سے، ہم بیٹھے ہیں گھبراتے کیوں ہو؟ یہ سب بے کار کی باتیں ہیں، اس کو بہت سمجھایا، لیکن وہ پھر بھی گھبرایا ہوا رہا، تو یہ بلا وجہ کا ایک خلجان ہے، ایسے ہی ہر گھر میں ایک نئی چیز ہے، اس لیے کہ مختلف گھروں میں مختلف چیزیں اس طرح کی شگون والی پائی جاتی ہیں۔

نبی کا عمل

صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جو خط کھینچتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اب اللہ نے علوم تو قیامت تک کے لیے ابتداء ہی سے بے شمار بنائے ہیں، نہ جانے کتنے علوم آئے، اور کتنے غائب ہو گئے، علوم آتے ہیں تو مٹ بھی جاتے ہیں، اس لیے یہاں پر بھی آپ نے یہ بات فرمائی کہ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ، ہاں ایک نبی خط کھینچتے تھے اگر تم ان نبی کی موافقت کر سکو تو اجازت ہے، اس لیے کہ یہ علم تھا لیکن اب معدوم ہے تو اس کے پیچھے پڑنا بھی بے کار ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے جب بنایا تھا تو اس وقت اس کا فائدہ تھا، اب اس کا فائدہ ختم ہو گیا، اس لیے اللہ نے علم ختم کر دیا۔

حضرت سلیمانؑ کے دور میں جب دربار سلیمانی لگا ہوا تھا، اور سارے درباری حاضر خدمت تھے تو ملکہ سبا کا معاملہ پیش آیا، تو ایک بہت دیو پیکر جن نے کہا کہ اگر حکم ہو تو ابھی اُس کو مجلس ختم ہونے سے پہلے اٹھا لاؤں، لیکن ایک مولوی صاحب نے کہا کہ اجازت ہو تو ابھی سیکنڈوں میں لاتا ہوں، تو ان کے پاس علم تھا، قرآن میں بھی ہے ﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ﴾ (النمل: ۴۰) لیکن اب وہ علم من الکتاب غائب ہو گیا، اب کسی کے پاس نہیں ہے کہ کوئی کسی کو اٹھا لائے، لیکن وہ علم تھا جو حضرت سلیمان کے زمانہ میں چل رہا تھا، گویا کہ حضرت

سلیمان بھی ایک طرح سے اس سے لاعلم تھے لیکن ان کے دربار میں ایک علم والا تھا، اس نے کہا حکم دیجئے تو حاضر کردوں، تو حضرت سلیمان نے کہا ٹھیک ہے، بس یہ کہتے ہی وہ حاضر ہوگیا، اور ملکہ سبا آگئیں۔

علم حقیقی

علم کی نہ جانے کتنی شاخیں رہی ہیں، اور اسی طرح نہ جانے کتنے علوم سامنے آتے جائیں گے اور ختم ہوتے چلے جائیں گے، یہ سب تو اللہ تعالیٰ کی بڑائی، کبریائی، اور اس کی شان کی بلندی کے اشارے ہیں، اس حدیث میں فرمایا کہ اگر نبی کی موافقت ہوسکے تو ٹھیک ہے اس لیے کہ جب نبی کوئی کام کررہا ہو تو وہ غلط کام نہیں کرے گا، تو یہ حکیمانہ جواب دیا کہ اگر اس زمانہ کے مطابق کرسکتے ہو تو کرلو، لیکن کر ہی نہیں سکتے اس لیے کہ وہ رخصت ہوگیا، اب دیکھئے علوم ہی ہیں کہ انسان کی ایک چیز نکال لیتے ہیں اس سے پورے انسان کی کیفیات معلوم ہوجاتی ہیں، انسان کا ناخن لے لیا، بال لے لیا، یا گوشت کا کوئی ٹکڑا لے لیا، اس کے ذریعہ سے پوری چیزیں معلوم ہوجاتی ہیں، تو اس سے نئے نئے علوم سامنے آتے ہیں، لیکن اس میں بھی اصل بات یہی ہے کہ جو علم موافق کتاب وسنت ہوگا بس وہی علم ہے، اور جو اللہ کی توحید اور اس کی معرفت کے خلاف ہو تو وہ علم نہیں ہے۔

چھوت چھات پر نکیر

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَ لَا صَفَرَ(۱).

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چھوت چھات نہیں ہے، نہ ہی فال لینا ہے، اور نہ ہی الو کا بولنا، اور نہ ہی صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھا جانا کوئی چیز ہے۔

فائدہ:- شگون لیے جانے والی چیزوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان ذہنی اعتبار سے پریشان رہتا ہے اور اسباب میں الجھا رہتا ہے، نہ جانے کیسی کیسی نسبتیں کرتا رہتا ہے کہ ان کے کرنے سے یہ ہو گیا وغیرہ وغیرہ، انہیں میں سے ایک چھوت چھات بھی ہے، کہتے ہیں کہ

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطب۔ رقم الحدیث: ۵۷۵۷

فلاں کے یہ بیماری تھی اس لیے آپ کو ہوگئی، فلاں علاقہ میں تھی آپ گئے اس لیے آپ کے بھی ہوگئی، تو حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے کو کیسے ہوا؟ اس کا سبب کیا ہے؟ یعنی ظاہر ہے کہ اللہ کے حکم سے ہوا، تو جب پہلے کے ہوئی تو ایسے ہی دوسرے اور تیسرے کو بھی ہوسکتی ہے، تو یہ نہیں ہے کہ تم اس کے پاس تھے اس وجہ سے تم کو بھی لگ گئی، ایسا کچھ نہیں ہے تو اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، کہ آدمی یہ ذہن میں بٹھالے کہ اس کی بیماری کی وجہ سے ہم کو ہوگئی۔

جب ہم کو شوگر ہوگئی تو ہم سے ایک ڈاکٹر پوچھنے لگا کہ آپ کو شوگر ہوگئی، آپ کے اماں ابا کے بھی ہوئی ہوگی، نانا نانی کے رہی ہوگی ہم نے کہا کہ چار پشتوں سے تو میں جانتا ہوں، کسی کو نہیں ہوئی ہے، اور اس سے پہلے ہوئی نہیں تھی، تو یہ سب بے کار کی باتیں ہیں کہ آپ کے اماں ابا کے تھی اس لیے ہوگئی، اسی لیے ان سب باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے، باقی جو شخص خلجان میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اس سے بھی بچایا گیا ہے جیسے حدیث میں ہے کہ جس کے جذام ہوگیا ہو، اس کے قریب مت جاؤ، اس سے بھاگو، وجہ یہ ہے کہ بلا وجہ تمہارا عقیدہ خراب ہوگا، جب تم جاؤ گے اور کچھ ہوگیا تو یہی کہو گے اگر نہ جاتے تو یہ نہ ہوتا، اور اگر عقیدہ تمہارا اتنا

پختہ ہے کہ جانے کے بعد کچھ ہو بھی جائے تب بھی تم پر کوئی اثر نہ پڑے، تو اس کے لیے اجازت ہے، کہ تم جا سکتے ہو۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک جذامی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے پیالہ میں کھاتے تھے، کیونکہ اللہ پر بھروسہ تھا، تو جس کو یہ مقام حاصل ہے کہ اگر ہو بھی جاتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ سب کچھ خدا کی ہی طرف سے ہوگا تو اس کو اجازت ہے، باقی عوام کے لیے نہیں ہے، کیونکہ عقیدہ بگڑ جائے گا، اور اسی لیے یہ بھی حکم ہے کہ جہاں بیماری پھیلی ہوئی ہے اگر کوئی وہاں ہے تو وہاں سے نہ بھاگے، اور اگر دور ہو تو وہاں نہ جائے، اس میں وہی حکمت کی بات ہے کہ اگر وہاں رہے اور بچ گئے تو کہو گے اللہ نے بچالیا، اور اگر ہو گیا تو کہو گے نہ جاتے تو کچھ نہ ہوتا، عقیدہ خراب ہو جائے گا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا، تو ایسے ہی یہاں فرمایا کہ اس طرح کے خیالات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

فال لینے کا حکم

ان خیالات میں نمبر ایک یہ ہے کہ چھوت چھات کی کوئی حقیقت اصلی نہیں ہے، اس لیے آدمی کو اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے، اسی طرح سے فال لینا بھی ہے جو کہ اس زمانہ کی بعض خیالی باتیں ہیں جو اس

معاشرہ میں بہت چلتی تھیں کہ چڑیا اس طرف سے اڑ گئی، یا ادھر سے اڑ گئی تو پریشان ہو جاتے تھے، اور بعض لوگ اڑاتے بھی تھے، اگر داہنے اڑ گئی تو کام بن گیا۔

ایسے ہی کوے بھی اڑاتے تھے، یا کہیں سے جا رہے ہیں اور بائیں طرف سے کوئی چیز اڑ گئی، یا داہنی طرف سے تو پریشان ہو گئے کہ بائیں طرف سے گئی ہے معاملہ اچھا نہیں ہے، اس لیے فرمایا کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کے چکر میں مت پڑو، اور چونکہ اس زمانہ میں لڑائی جنگیں خوب ہوتی تھیں تو اگر کسی کو مار دیا گیا تو سمجھتے تھے کہ اس کی روح سکون نہیں پاتی، روز گھر پر آتی ہے اور کہتی ہے بدلہ لو، بدلہ لو، اب اگر لے لیا تو چین سے بیٹھ جاتی ہے، لیکن درحقیقت یہ سب چیزیں انہوں نے اپنے دماغ کو اس میں وابستہ کرنے کے لیے اس کو قتل وقتال پر آمادہ کرنے کے لیے چلا رکھی تھیں، تاکہ جو مقتول کے وارث ہیں وہ قاتل سے بدلہ لیں، اسی لیے چالیس چالیس سال لڑائیاں چلتی تھیں، ایک دوسرے کو قتل کرتے رہتے تھے، بات یہی تھی کہ ان کو سکون نہیں ملے گا، آج بھی اس طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب بے کار کی باتیں ہیں، اور بات یہ ہے کہ جب الو بیٹھ گیا گھر پر تو سمجھے کہ گھر اجڑ جائے گا، اس کو بھی فرمایا یہ بھی کچھ نہیں ہے بلکہ

مہینوں کی نحوستوں کے خیالات کو بھی ذہن سے نکال دو، کہ فلاں مہینہ مبارک ہے فلاں غیر مبارک ہے، فرمایا یہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ وہ لوگ صفر کے مہینہ کو، شوال کے مہینہ کو اس طرح منحوس سمجھتے تھے کہ کوئی اچھا کام کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میری رخصتی اور نکاح شوال میں ہوا، لیکن پھر بھی مجھ سے زیادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب رہنے والا کون ہے؟ مجھ سے زیادہ حظ والا کون ہے؟ تو اگر یہ شوال کا مہینہ اچھا نہ ہوتا تو کیا مجھے یہ سب کچھ نصیب ہوتا!

ہر دن اور ہر مہینہ مبارک

اگر یوں بھی دیکھا جائے تو کوئی ایسا مہینہ نہیں ہے جس کو منحوس نہ سمجھا جائے، اگر دنیا کی جو قومیں ہیں سب کا جائزہ لیں تو ہر قوم کے نزدیک کوئی نہ کوئی مہینہ منحوس ہے، کسی نے محرم کو بتایا، کسی نے صفر کو، کسی نے شوال کو، کسی نے شعبان کو، اسی لیے ایسی سب باتیں غلط ہیں، اور اللہ نے سارے ہی ایام اور سارے مہینوں کو مبارک رکھا ہے، بس آپ اللہ کا نام لیں اور کام کریں، جیسے ہفتہ کے سات دن ہیں، اس میں ہر دن مبارک ہے، خود آپ دیکھئے یہودیوں نے سنیچر کا دن لیا، عیسائیوں نے اتوار کا دن لیا، ہندوؤں نے منگل کا دن لیا، مسلمانوں کو جمعہ کا دن ملا، اس کے

علاوہ جو دوسری قومیں ہیں بعض کے نزدیک بدھ ہے، بعض کے نزدیک جمعرات ہے، تو ہر دن کسی نہ کسی کے یہاں مبارک ہو ہی گیا، تو گویا کہ اللہ نے اس سے یہ بتا دیا کہ ہر دن بہتر ہے، اور جمعہ کو سید الایام قرار دے دیا گیا، لیکن بہتر سب ہیں، اس لیے کسی دن کو بھی منحوس نہیں سمجھا جا سکتا ہے، کیونکہ اس طرح کی باتیں توحید کے منافی ہیں، ہر دن اُس کا، ہر مہینہ اُس کا، ہر سال اُس کا، ہر چیز اُس کی، اور جب ساری چیزیں اُسی کی ہیں تو اُس کی نسبت سے ہر چیز اچھی ہوگی، اس لیے ایسے خیالات کا ہونا اور ان میں اپنے کو الجھانا توحید کے منافی ہے۔

بقائے امت کا راز

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: کُنْتُ خَلْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْماً، فَقَالَ: یَا غُلَامُ! اِنِّیْ أُعَلِّمُکَ کَلِمَاتٍ: احْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ، احْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰہَ، وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّۃَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلیٰ أَنْ یَنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْکَ إِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ لَکَ، وَ إِنِ اجْتَمَعَتْ عَلیٰ أَنْ یَضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ إِلَّا قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیْکَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ، وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔(۱)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے بچہ! میں تم کو کچھ کلمات سکھاتا ہوں، تم اللہ کی

(۱) سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ۔ رقم الحدیث: ۲۵۱۶

حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کی حفاظت کرو تو تم اس کو اپنے پاس پاؤ گے، اور جب بھی کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو، اور جب بھی مدد چاہو تو اللہ ہی سے چاہو، اور یہ بھی جان لو کہ اگر ساری امت بھی اس بات پر جمع ہو جائے کہ وہ تم کو کچھ نفع پہنچائے تو وہ تم کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی، سوائے اس کے جتنا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہو، اور اگر ساری امت تم کو نقصان پہنچانے کے در پر ہو جائے تو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی، سوائے اس کے کہ اس کو اللہ نے لکھ دیا ہو، قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خوشک ہو گئے۔

فائدہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ مختصر روایت مروی ہے، لیکن اس کے اندر پوری امت کے لیے غیر معمولی رہنمائی پائی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اللہ نے خاص امتیازی شان عطا فرمائی تھی، ایک تو علم کی طلب ان کے اندر شروع ہی سے تھی، پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کو دعا ملی تھی، اور وہ دعا ادب پر ملی تھی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے دو مسئلے ذکر کیے جاتے ہیں جن سے ان کو یہ مقام علمی اللہ نے عطا فرمایا: ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب استنجاء کو تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عباس نے پانی وغیرہ تیار کر کے لوٹا رکھ دیا، لوٹ کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کس نے کیا ہے؟ کہا گیا عبداللہ نے، تو

اس سے آپ بہت خوش ہوئے اور دعا دی۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ جب رات کو نماز میں کھڑے ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس بھی بغل میں کھڑے ہو گئے، تو آپ نے ساتھ میں کھڑا کر لیا، لیکن حضرت عبداللہ بن عباس تھوڑا سا پیچھے ہٹ گئے، پھر آپ نے برابر میں کر لیا، وہ پھر ہٹ گئے، بعد میں آپ نے پوچھا ایسا کیوں کیا؟ کہا میری کیا مجال کہ نبی کے برابر کھڑا ہو سکوں، تو ان کے اس فہم کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گلے سے لگا لیا، اور پھر ان کو تفقہ اور علم وحکمت کی دعا دی۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس صحابہ میں ممتاز حضرات میں سے ہیں، اور ان کا شمار غیر معمولی علماء میں ملتا ہے، حضرت عمرؓ نے جو مجلس مشاورت بنائی تھی اس کے ان افراد میں حضرت عبداللہ کو بھی رکھا تھا، جس میں بڑے بڑے جہاں دیدہ، تجربہ کار لوگ تھے، جو اپنے علم وفن میں بڑے فائق تھے، ان کو احساس ہوا کہ ہم میں جو سب سے اچھی عمر والے ہیں، وہ یہاں ہیں، لیکن انہی میں یہ لڑکا کیوں بیٹھتا ہے؟ تو حضرت عمرؓ کو یہ اشکال سمجھ میں آ گیا، کہ لوگوں کو اس پر اعتراض ہے کہ یہ اہم مشوروں میں شامل ہوتے ہیں، تو حضرت عمرؓ نے امتحان لیا، سب بیٹھے تھے اور آپ نے ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ پڑھی، کہا اس آیت میں کیا کہا جا رہا ہے؟ تو سب نے اپنی اپنی بات کہی، حضرت عمرؓ

نے کہا تم لوگ جو کہہ رہے ہو یہ بھی ٹھیک ہے، پھر کہا عبداللہ تم بتاؤ، تو انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت قریب آرہا ہے اس کی طرف اشارہ ہے، تو حضرت عمر نے کہا کہ جو عبداللہ کہتے ہیں وہی میں بھی سمجھتا ہوں، گویا حضرت عمرؓ نے اس سے اندازہ کرادیا کہ حضرت عبداللہ کا مقام کیا ہے؟ تو اللہ نے ان کو شروع سے ہی غیر معمولی مقام عطا فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت عبداللہ موجود تھے، آپ نے مخاطب کر کے کہا: اے بچہ! کیونکہ اس وقت کم عمر تھے، فرمایا: تمہیں چند کلمات یعنی باتیں بتاتا ہوں، اور یہ کلمات کا جو لفظ ہے یہ بہت معنی خیز ہے، اسی لیے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کے لیے یہی لفظ آیا ہے کہ اللہ نے ان کو کلمات دیئے، تو حضرت ابراہیم نے ان کو پورا کیا، تو کلمات کے جو لفظ ہیں، اس میں ساری چیزیں آجاتی ہیں، یعنی چند باتیں اور چند اہم امور۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو میں سکھانا چاہتا ہوں، ان کو اچھی طرح سے یاد کرلو، اس میں پہلی بات آپ نے فرمائی اُحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ، اُحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا، دوسرے یہ کہ اللہ کی حفاظت کروگے، تو تم اس کو اپنے سامنے پاؤ گے، یہ دو باتیں فرمائیں، اب اللہ کی حفاظت کیا ہے؟ خود قرآن میں فرمایا گیا ہے ﴿إِن تَنصُرُوا اللّٰہَ

یَنصُرۡکُمۡ ﴾(محمد:۷) تم اللہ کی مدد کرو گے، اللہ تمہاری مدد کرے گا، اب ظاہر ہے اللہ تو ان تمام چیزوں سے بلند و بالا ہے، اس کو کسی کی مدد کی، کسی کی حفاظت کی ضرورت نہیں، لیکن الفاظ ایسے ہی استعمال کئے گئے ہیں جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم اللہ کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا، تو ظاہر ہے کہ یہاں حفاظت کا مطلب بھی وہی ہے کہ اس کی حفاظت یعنی اس کے دین کی حفاظت، اس کے احکامات کی حفاظت، جو انبیاء کے ذریعہ سے ہم کو ملے ہیں ان سب کی حفاظت کرو گے، تو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، پھر حفاظت کے غیر معمولی درجات ہیں، اور ان میں یہاں دو اہم بیان کر دیئے گئے، ایک تو یہ کہ تم اللہ کے دین کی حفاظت کرو گے، تو تم محفوظ رہو گے، دوسرے یہ کہ اللہ کے دین کی حفاظت میں ایک ایک جز کی حفاظت کرو گے، تو اللہ کی مدد ہمہ وقت تمہاری کے ساتھ رہے گی، یہ تو تمہاری اپنی حفاظت پر ہے۔

حفاظت عمومی و حفاظت جزوی

ایک عمومی حفاظت ہے اس کا بدلہ اسی اعتبار سے ہوگا، اور ایک جزوی حفاظت ہے جس کو حضرت ابو بکرؓ نے کیا، فرمایا تھا کہ اگر انہوں نے ایک رسی بھی جو جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دیتے تھے، نہ دینے کی ٹھان لی،

تو ابوبکر ان سے قتال کرے گا، اب یہاں پر حضرت ابوبکرؓ نے ایک ایک رسی کا حساب کرلیا، اوراعلان کیا کہ اَیُنقَصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ کہ دین میں کتر وبیونت نہیں ہوسکتی جب تک میں زندہ ہوں، تو ابوبکر کی حفاظت اتنے اعلیٰ درجہ کی ہے کہ سارے صحابہ ایک طرف، اورابوبکر کی ذات ایک طرف۔ جیش اسامہ کا مسئلہ کاایک طرف، لیکن ابوبکر کے لیے اللہ نے کیسی حفاظت کا سامان کیا، کہ جو فیصلہ ابوبکر کا تھا، وہی فیصلہ تھا، اوراس کے ذریعہ سے اللہ نے پورے دین کی، پوری ملت کی حفاظت کا ایسا سامان کیا جس کا فائدہ پوری امت کو قیامت تک پہنچتا رہے گا، اسی کو کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نہ ہوتے تو ارتداد کا مقابلہ کیسے ہوتا؟ مانعین زکاۃ کی سرکوبی کیسے ہوتی؟ جیش اسامہ کو بھیجنے کا عمل کیسے وجود میں آتا؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے جب دین کی حفاظت کی تو ظاہر ہے پوری امت محفوظ کردی گئی، ورنہ اگران کا یہ اقدام نہ ہوتا تو دین کی حفاظت کیسے ممکن ہوتی؟ اسی وجہ سے ان کا مقام سب سے بلند ہے، ان کے برابر کوئی ہو ہی نہیں سکتا، اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ بِالتَّحْقِیْقِ، یہ مقام ابوبکرؓ ہی کا ہے، جو کسی اور کو نہیں ملا۔

حفاظت قرآن

اسی طرح قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا

لَـہٗ لَحَافِظُون﴾(الحجر:۹) کہ الذکر یعنی قرآن کو ہم نے نازل کیا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی اس کے ذریعہ سے ہم تم سب کی حفاظت کرنے والے ہیں، تو یہاں اصلاً یہی بات کہی جارہی ہے کہ ہم نے نازل کیا ہے، اور ہم ہی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی جو بھی حفاظتِ قرآن کی کوششیں کرے گا وہ اللہ کی طرف سے محفوظ ہوجائے گا، یہ آیت بالکل صاف صاف بتارہی ہے، اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے، جس کو یوں سمجھنا آسان ہوگا، مثلاً: کسی شخص کو سارے لوگ دوڑا رہے ہوں، اور وہ بھاگ رہا ہو، یہاں تک کہ وہ ڈی ایم صاحب کے بنگلے پہنچ جائے، اور وہاں وہ اس کو کمرہ میں بٹھادیں، اور کہیں کہ اب نہ گھبراؤ، تم ہماری حفاظت میں ہو، تو ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کو کمرہ میں بند کردیا جائے، اور وہاں نہ کھڑکی ہو، نہ دروازہ ہو، نہ روشنی ہو، نہ کھانے پینے کا سامان ہو، اور اندر بند کردیا جائے، یعنی اس کی حفاظت ایسی آپ نے کی کہ خود بے چارہ مرگیا، تو یہ حفاظت نہیں ہوئی بلکہ حفاظت کا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے کہ اس کو کھانے کے وقت کھانا، ٹہلنے کے لیے باہر نکلنے کا موقع دیا جائے وغیرہ وغیرہ، اور جو ضروریات ہیں وہ مہیا کی جائیں، تبھی حفاظت ہوگی، ایسے ہی یہاں پر بھی ﴿اِنَّـا نَـحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْن﴾(الحجر:۹) کا

مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن سجا کر جزدان میں رکھ دیا جائے، بلکہ اس میں کہہ دیا کہ جو اس کو زبانی یاد کرتے ہیں، معانی کی نشر و اشاعت میں لگتے ہیں، جو اس کے احکامات کی پابندی کرتے ہیں، ان کو عام کرتے ہیں، غرض کہ جتنی بھی چیزیں اور جتنے بھی لوگ اس سے وابستہ ہیں ان سب کی حفاظت کی جائے، لیکن جتنی حفاظت آپ کریں گے اتنی ہی آپ کی حفاظت ہوگی، آج امت نے صرف ظاہر کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے تو وہی ظاہر کی حفاظت ہو رہی ہے، اس طرح سے کہ ساری دنیا آپ سے ڈر رہی ہے، رعب بلا وجہ طاری ہے۔

ظاہری اسلام

ہمارے حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی ندویؒ) نے لکھا ہے کہ کھیت میں چڑیوں سے کھیتی کو بچانے کے لیے کپڑے کے انسان کو کھڑا کر دیا جاتا ہے، اور دور سے چڑیاں یہ سمجھتی ہیں کہ انسان کھڑا ہے، اگر ہم جائیں گے تو مار دے گا، لیکن لکھا ہے کہ اگر کوئی چالاک قسم کا کوا اس کے سر پر ایک دفعہ بھی بیٹھ گیا تو سارا بھرم جاتا رہے گا، ایسے ہی اس وقت پوری امت کی حفاظت کا مسئلہ چل رہا ہے، امت اسلام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے معنوی اعتبار سے اتنی کھوکھلی ہو چکی ہے، اور اسلام سے محروم اور اس کی برکات

سے اس قدر دور ہو چکی ہے کہ لوگ صرف اسلام کے ایک ہوّے سے گھبرائے ہوئے ہیں، ورنہ کسی کو موقع مل گیا تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے اندر کچھ نہیں ہے، بس اللہ ہی محفوظ رکھے کہ اس وقت کیا ہوگا؟ تو جیسی حفاظت ہم کر رہے ہیں اللہ بھی ہماری ویسی ہی حفاظت کر رہا ہے۔

ظاہری اور باطنی حفاظت

حفاظت کے تعلق سے دو چیزیں یاد رکھنے کی ہیں: ایک ہے ظاہری حفاظت جس سے پرواز وابستہ ہے، اور ایک ہے باطنی حفاظت جس سے بقاء واستحکام وابستہ ہے، دونوں چیزوں کے لیے دونوں کو خوش نما و مکمل ہونا چاہیے، جیسے کبوتر ہے اگر وہ زندہ نہ ہو، لیکن اس کے پر بہت خوبصورت ہوں لیکن مکمل نہ ہوں، تو اڑ نہیں سکتا، دور سے آدمی دیکھتا رہے کہ کبوتر ہے، بالکل لوگ سمجھیں گے کہ زندہ کبوتر ہے، اور اندر بیٹھا ہوا ہے لیکن زندگی اس کے اندر نہیں ہے تو اس سے نہ بچے ہوں گے اور نہ وہ اڑ سکے گا، اور اگر زندہ ہے اور پر کٹے ہوئے ہیں، تو زندہ تو ہے، لیکن پر کٹے ہونے کی وجہ سے پرواز نہیں ہوگی، اس لیے دونوں ہی چیزیں صورت بھی سیرت بھی صحیح ہونا چاہیے، اندر بھی باہر بھی صحیح ہونا چاہیے، آپ دیکھئے جب پولس والا اپنے لباس میں آتا ہے تو اس کا اثر کچھ اور

ہوتا ہے جب وہ عام لباس میں ہوتا ہے تو کوئی اثر نہیں ہوتا، تو ظاہری صورت کا بھی اثر پڑتا ہے، اس کی ایک حیثیت ہے، تو اب ظاہری شریعت کی بھی حفاظت ہو اور حقیقت شریعت کی بھی حفاظت ہو، تب یہ مقام آتا ہے کہ اللہ حفاظت کرے، لیکن یہاں نہ عقیدہ، نہ عبادات، نہ معاملات، نہ تعلقات استوار ہیں، اور کہتے یہ ہیں کہ اللہ کی مدد نہیں آتی، جب کہ اس کی حفاظت ہی میں ہم نہیں ہیں، کیونکہ ہمارا کوئی کام بھی ایسا نہیں ہے، جس سے مدد آئے، تو پہلے ہم وہ کام کریں پھر دیکھیں اللہ کی مدد آتی ہے یا نہیں آتی، اسی کو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ تم اللہ کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

ہمارے حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی ندویؒ) جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو تقریر میں فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ جملہ ہر ایک کے سر پر لٹکا ہوا رہے کہ أینقص الدین وأنا حی گویا کہ یہ ذمہ داران دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین کو محفوظ رکھنے کے لیے روک ٹوک کا عمل جاری رکھیں، اور یہ ایسی غیر معمولی اسلام کی خوبی ہے کہ دنیا کے تمام ادیان میں نہیں ہے، اسی لیے دوسرے ادیان باقی نہیں رہتے، اور اسلام اسی لیے باقی ہے، ایک اور مثال دیکھ لیجئے جس سے بات واضح ہو جائے گی، اس وقت رمضان کا موقع ہے اور سمجھنا آسان بھی ہے، ہم نے

یہاں حضرت مولانا کے پیچھے بھی تروایح پڑھی ہیں، تو ظاہر ہے کوئی بھی علامہ ہو، امام وقت ہو لیکن کہیں کہیں اس کو متشابہ لگ جاتا ہے، اور وہ بھی بھول جاتا ہے، تو پیچھے سے اچھا حافظ جو عمر میں بہت کم اور علم میں بالکل اس سے گیا گزرا ہو، لیکن اس کا حفظ اچھا ہے تو پیچھے سے ٹوک دے گا کہ درست کر لیجئے، لیکن سلام پھرنے کے بعد چاہے کتنا بڑا امام ہو اس کی پیٹھ ٹھوکے گا کہ صحیح کیا، یہ نہیں کہے گا کہ ہم علامہ وقت ہیں، ٹوکنے کی جرات کیسے ہوئی؟ لیکن ٹوکنے کا طریقہ ہونا چاہیے کہ نماز میں نیت باندھ کر ٹوکو، کیونکہ لقمہ نماز کے خارج والے کا نہیں لیا جاتا، اسی لیے کہا گیا ہے

بات چاہے بے سلیقہ ہو کلیم　　　بات کہنے کا سلیقہ چاہیے

تو ٹوکا جائے گا لیکن طریقہ سے، یہ نہیں کہ دور سے لاؤڈ اسپیکر پر ٹوکیں، یہ غلط ہو جائے گا، طریقہ بھی صحیح ہونا چاہیے، نماز میں آپ شریک ہیں، تو ٹوک دیا اور کہا درست کر لیجئے، ایسے ہی معنوی چیزوں کا بھی معاملہ ہے، اگر کوئی غلط بات کہتا ہے کتنا ہی بڑا علامہ ہو، صوفی ہو، ولی ہو، قطب ہو، اگر اس کے منہ سے بات غلط نکل رہی ہے جو شریعت کے خلاف ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اور ایک عام مولوی بھی اس کو ٹوک دے گا اور اس کو برا نہیں مانا جائے گا لیکن سلیقہ ہونا چاہیے، کہ ٹوکنے والا صحیح ہو، یعنی اس کی بے ادبی نہ ہو، یعنی اگر کوئی ٹوکنے والا کھڑے ہو کر نماز کے بعد کہے

کہ اتنے بڑے امام ہیں آپ کو شرم نہیں آتی، آپ بھول جاتے ہیں، آپ نے کیا پڑھا ہے، کیا سیکھا ہے؟ تو ایسے شخص کی مسجد والے بھی پٹائی کر دیں گے کہ بدتمیز بڑوں سے ایسے نہیں بولا جاتا ہے، تو بڑے کے بھولنے کو کوئی کچھ نہیں کہے گا لیکن بدتمیزی پر ٹوک دیا جائے گا، ایسے ہی کوئی ولی ہے اس کے ملفوظات میں کسی اور چیز میں شریعت کے خلاف کوئی چیز آگئی تو بے سلیقہ ٹوکنے پر سب پٹائی کر دیں گے، لیکن ادب سے کہا، تو مانا جائے گا، تو فوراً وہ بھی کہے گا کہ صحیح کہا۔

غلطی سے کوئی محفوظ نہیں

حضرت مجدد صاحبؒ نے لکھا ہے کہ دیکھو بزرگ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک اصحاب صحو اور دوسرے اصحاب سکر، امام جنید بغدادیؒ اصحاب صحو کے امام ہیں اور میں بھی انہی میں سے ہوں لیکن کبھی کبھی عالم سکر بھی طاری ہو جاتا ہے، تو اگر میری زبان سے بھی خلاف شریعت کوئی جملہ نکلے تو حاشا و کلا کبھی اس پر عمل نہ کرنا، بلکہ جو کچھ شریعت غراء میں آیا ہے اسی کو اپنانا، یہ حالت سکر کا نتیجہ ہے، ایسے ہی کسی بڑے سے بڑے آدمی سے کچھ نکل جائے تو وہ قابل تقلید نہیں ہے، لیکن ٹوکنے کا طریقہ صحیح ہونا چاہیے، حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا مقام بلند ہے، اگر ان کو کوئی برا

کہنے لگے، امام ابوحنیفہ کا کتنا مقام بلند ہے ان کی غلطی لے کر کوئی ٹوکنا شروع کردے، تو ایسے تو ہر شخص کی کوئی نہ کوئی بات ہٹی ہوئی مل جائے گی، یہ بھی اللہ کا نظام ہے کہ جیسے بہت سے بڑے بڑے ولی ہیں، ہمارے حضرت مولانا صدیق صاحبؒ (باندوی) ان سے سینکڑوں کو شفا ہوئی، لیکن خود سراپا بیمار تھے، کچھ نہ کچھ درد وغیرہ رہتا ہی تھا، اپنے کو دم کرتے تھے، لیکن ٹھیک نہیں ہوتے تھے اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کو کہیں خدا نہ سمجھ لیا جائے، ایسے ہی ائمہ کا معاملہ بھی ہے کہ کتنے ہی اونچے مقام پر فائز ہوں لیکن کوئی نہ کوئی بات الگ سے مل جائے گی، یوں سمجھ لیں کہ انسان سر سے لے کر پیر تک پورا انسان ہے، اس میں ایک جگہ ایسی ہے جس کو عورۃ یعنی شرمگاہ کہتے ہیں، اس کو چھپانے کا حکم ہے، تو ہر ایک کی شرمگاہ ہے، ظاہری بھی باطنی بھی، جس کو چھپانا ضروری ہے، معلوم ہوا ہر انسان کی کچھ ایسی کمزوریاں ہیں، اور کمزور پہلو ہیں جن کو چھپانا ضروری ہوتا ہے، جس کو وہی جانتا ہے، خود وہ اپنے کو پہچانتا ہے، اب یہ ہے کہ کوئی اور اگر اس کو ظاہر کرے تو یہ غلط ہوگا، تو اللہ کا پورا یہ ایک نظام ہے جو ہر جگہ ہے، ایسے ہی سارے مشائخ ہیں، لیکن کوئی نہ کوئی ان کے یہاں بھی ایسی کمزور بات مل ہی جاتی ہے، تو اس میں دو باتیں ہیں یا تو یہ کہ ان کے بعد والوں نے اضافہ کیا ہے، یا پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ سب

حالت سکر میں کہا گیا ہے، باقی شریعت تو اپنی جگہ پر ہے، اس لیے کہ شریعت جوان ہے جو اس سے وابستہ ہو جائے وہ بھی جوان رہتا ہے، اس کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اللہ کا دیا ہوا قرآن وحدیث، یہ قرآن سدا جوان ہے، شریعت سدا جوان ہے، جو اِن سے وابستہ ہو جائے وہ بھی ہمیشہ جوان رہے گا، مگر بچپن سے آخری عمر تک ہو، یہ نہیں کہ جب پچپن کے ہو گئے تب شریعت سے جڑے، تو جوانی تو آجائے گی، لیکن آپ جوان نہیں ہوں گے، بڑھاپے میں شریعت کی طرف آنا جوانی کے انجکشن کی طرح ہوگا، لیکن جوان نہیں ہوں گے۔

عبادت کے مراحل

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے لکھا ہے کہ پہلے ریا، پھر عادت، پھر عبادت، یعنی جب آدمی تصوف میں لگتا ہے تو ان مراحل سے گذرتا ہے، لیکن یہ ہم لوگوں کی کمزوری ہے، ورنہ جو شریعت میں شروع ہی سے لگ جائے گویا وہ خود بخود بچپن ہی سے تصوف میں لگ گیا، یعنی بچپن سے ہی لگنا چاہیے، اب جب بعد میں بڑھاپے میں لگتے ہیں، تو پہلے ریا، پھر عادت، پھر عبادت، حالانکہ یہ مرحلہ پہلے کا ہے، وہ اس طرح کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو بچوں کو نماز کو چھوڑنے پر مارو، تو اس وقت

یعنی سات سے دس سال تک جو نماز پڑھے گا، وہ ریا ہوگی، اسی لیے کہا گیا ہے کہ دکھا کر نماز پڑھو، حضرت مولانا کے بڑے بھائی بہت دیکھا کرتے تھے کہ علی میاں نماز کی پابندی کر رہے ہیں یا نہیں، اگر کسی اور مسجد میں پڑھ لیتے اور دکھائی نہ دیتے تو دوہرواتے تھے، کیونکہ یہ ریا والی نماز ہے، اور دس سال سے پندرہ سال تک یہ عادت کی نماز ہے، یعنی پہلے پٹائی ہوگی، جب زیادہ نگرانی ہوگئی تو عادت پڑ جائے گی، بغیر نماز پڑھے نہیں رہ سکتا، تو پندرہ سال تک نماز یہ عادت کی نماز ہے، اور جب پندرہ سال کا ہوگیا، تو فوراً عادت سے عبادت میں آگیا، لیکن چونکہ اب ہر چیز الٹی ہے تو یہ بھی الٹا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ریا کہاں پہنچی جب بوڑھے ہوگئے، اور کسی سے بیعت ہوگئے تو تسبیح بتادیں کہ اتنی پڑھنا، کہا حضرت لوگ دیکھتے ہیں، تو شرم آتی ہے، تو شیخ صاحب نے کہا، ابھی ریا ہے، آپ کچھ کچھ پڑھتے رہیے پھر خود عبادت ہوجائے گی، تو ہم لوگوں نے یہ نظام خود خراب کرلیا ہے، ورنہ یہ مراحل تو شروع ہی میں طے ہوجانے والے تھے۔

شریعت سدا جوان ہے

بہر حال جو حفاظت ہے وہ اس طور پر ہے کہ ہم شریعت کے ایک

ایک جزء کو دیکھیں، حضرت مولاناؒ نے مولانا مسکین علی صاحبؒ کا شریعت کے جوان ہونے کا واقعہ سنایا، ان کے پاس ایک عورت بیعت ہونے آئی، کہا حضرت! میں بھی بوڑھی، آپ بھی بوڑھے اس لیے ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لیجئے، اب اس میں کون سا مسئلہ ہے کہ پردہ کیا جائے؟ تو انہوں نے کہا بے شک تم بھی بوڑھی، ہم بھی بوڑھے، لیکن اللہ کی شریعت جوان ہے، حکم نہیں بدلے گا، اور جب شریعت جوان ہے تو جو اس سے وابستہ ہو جائے گا وہ بھی ہمیشہ جوان رہے گا، اسی لیے اللہ کے نیک بندے ہمیشہ جوان رہتے ہیں، ان کے اندر جوانی کی امنگیں ہمیشہ قائم رہتی ہیں، تو استحضار کے ساتھ شریعت پر جتنا ہمارا زیادہ عمل ہوگا، اتنی ہی خدا کی مدد آئے گی۔

صرف اللہ سے مانگو

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کچھ مانگو تو اللہ سے مانگو، اس کی ایک شکل آ رہی ہے کہ چھوٹی چیز کے لیے بھی خدا پر نگاہ ہو، سوئی، دھاگہ، نمک، پانی، جوتے کا تسمہ یہ سب بھی اللہ سے مانگو، لیکن یہ جلدی سے کسی کے سمجھ میں نہیں آتا ہے، تو اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ بعض دفعہ آدمی ایسی جگہوں پر پھنس جاتا ہے جہاں کچھ نہیں ملتا، خود میرا قصہ بھی

پیچھے گزر چکا ہے، تو اصل یہ ہے کہ ہمہ وقت نگاہ اللہ پر ہو، توحید کا یہ مقام ہے جو ہم کو حاصل ہونا چاہیے کہ ہر چیز میں اللہ پر نگاہ ہو، لیکن ہمارا معاملہ الٹا ہے، ہر وقت پیسہ پر نگاہ ہوتی ہے، فلاں جگہ سے مل جائے گا تو یہ ہو جائے گا، اس لیے بس فلاں میں رہ کر فناں ہو جاتے ہیں، اور جس چیز سے بقا حاصل ہوتی ہے وہ نہیں کرتے، تو بات یہ ہے کہ جو کچھ مانگو وہ اللہ سے مانگو، اور مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد چاہو، اور یہ یقین رکھو کہ اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔

یقین کے درجات

اس لیے یقین کے بھی تین درجے ہیں، ایک تو یقین علم الیقین ہے، پھر عین الیقین ہے، پھر حق الیقین ہے، یعنی ان کو بھی طے کرنا ہے، ایک علم تو وہ ہے جسے ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں، اسی لیے کتاب والے کتاب میں ہی رہ جاتے ہیں، آگے نہیں بڑھ پاتے، صرف سطروں میں الجھے رہتے ہیں، حالانکہ یہ تو پہلا درجہ ہے، دوسرا درجہ ہے عین الیقین کا، یعنی ایک تو یہ ہے کہ آپ کو علم ہے کہ فلاں جگہ مطبخ ہے، وہاں آگ ہے، یہ علم الیقین ہے، دوسرے یہ کہ عین الیقین ہے، یعنی آپ اپنی آنکھوں سے آگ دیکھ لیں، نظر آجائے، لیکن وہاں جا کر آپ پھسلے اور آپ کا ہاتھ

آگ میں پڑ گیا اور ہاتھ جل گیا تو یہ حق الیقین ہے کہ واقعی آگ میں جلانے کی صلاحیت ہے، تو کوئی پوچھے کہ آگ ہے؟ تو آپ کہیں گے کہ اللہ کے بندے میرا ہاتھ جل گیا اور تم پوچھ رہے ہو کہ آگ ہے یا نہیں؟ تو یہ تین مقامات ہیں، جو ہر چیز میں آتے ہیں۔

تقدیر پر ایمان

اسی لیے مذکورہ بالا حدیث میں جو فرمایا گیا کہ ساری امت بھی اس بات پر اکھٹی ہو جائے کہ تم کو ذرہ برابر نفع پہنچائے تو نہیں پہنچا سکتی ہے، سوائے یہ کہ اللہ ہی چاہے کہ تم کو نفع پہنچ جائے، یا ساری دنیا اکٹھا ہو جائے نقصان پہنچانے کے لیے تو نہیں پہنچا سکتی، مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، یعنی جو اللہ نے لکھا ہوگا، وہی ملے گا، اسی لیے نگاہ صرف خدا پر ہونی چاہیے، اگر ساری دنیا کسی کو کہہ رہی ہے کہ ان کا مقام بلند ہو جائے، یہ ہو جائے، وہ ہو جائے، لیکن وہ ملتا ہی نہیں ہے، ساری کوششوں میں لوگ تھک گئے لیکن نہیں ملا، تو ملے یا نہ ملے لیکن نگاہ اوپر ہونا چاہیے کہ خدا ہی کرنے والا ہے، یہ یقین مضبوطی کے ساتھ ہونا چاہیے، اسی طرح نقصان پہنچانے کے در پر ہر طرف آپ کے خلاف پلان بنائے جا رہے ہیں، سازشیں ہو رہی ہیں، نہ جانے کیا کیا ہو رہا

ہے؟ جیسے یہودیوں کو کہا گیا ﴿وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ (ابراهیم: ٤٦) ان کی سازشیں پوری امت کے خلاف ایسی ہیں، بلکہ پوری انسانیت کے خلاف کہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا سکتی ہیں، لیکن کہا گیا کہ اللہ بھی تو ہے ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (آل عمران: ٥٤) ان کی چالیں سب ایک طرف اور خدا کی بات ایک طرف کیا، ان کی کیا چلے گی؟ لیکن اس کا ذکر کیا گیا کہ ان کی سازشیں ہیں، تو ہے سب اللہ کے ہاتھ میں جب آدمی اس بات پر رہے تو اس کو اطمینان کی ایک خاص کیفیت حاصل رہتی ہے، اسی کو فرمایا رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ، وَجَفَّتِ الصُّحُف کہ قلم اٹھا لئے گئے، صحیفے خوشک ہو گئے، یہ محاورہ ہے یعنی جو کچھ لکھا جانا تھا وہ لکھا جا چکا، اب تقدیر الٰہی میں تبدیلی نہیں آسکتی، تو جو ہو چکا اس پر رونے سے کوئی فائدہ نہیں، اس لیے آدمی کو اطمینان سے رہنا چاہیے، آئندہ کی کوشش کرنا چاہیے اور اس کو خفیہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ ہمتیں پست نہ ہوں اسی لیے ہمت کو بلند رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ ساری چیزیں ہمت سے وابستہ ہیں۔

اسی لیے حضرت علیؑ نے فرمایا إِنَّ عُلُوَّ الْهِمَّةِ مِنَ الْإِيْمَان، بلند ہمتی ایمان کا جز ہے، تو ہر ایک کو بلند ہمت ہونا چاہیے، پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہیے، قرآن وحدیث میں بھی یہی کہا گیا ہے، بزرگان دین نے یہی

کر کے دکھایا ہے، اور ہم کو بھی یہی کرنا ہے، اگر کچھ ہو جائے تو ان کا کرم ہے، اور نہیں ہوتا تو اپنے گناہوں، نالائقیوں کا نتیجہ ہے کہ نہیں ہو سکا، اور مقدر کی بات ہے، حالانکہ اس لفظ کو کہہ کر آدمی اپنا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے، کیونکہ تقدیر بوجھ بڑھانے کے لیے نہیں ہے، ہلکا کرنے کے لیے ہے، اسی لیے کہا گیا تقدیر پر ایمان لاؤ اور اس میں الجھو نہیں، ورنہ بوجھ بڑھ جائے گا، اور جو ایمان لاتا ہے اس کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

مشکل کشا

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا، حَتَّى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ۔(۱)

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک اپنی تمام حاجات کا سوال اللہ رب العزت ہی سے کرے، یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اس کو بھی خدا ہی سے مانگے۔

فائدہ:۔ ہم سب کو اپنی تمام کی تمام حاجتیں اور ضرورتیں اپنے پالنہار سے ہی مانگنی چاہیے، پالنہار کہہ کر یہ بتادیا کہ ہر موقع سے وہی پروان چڑھانے والا ہے، جس چیز کی تم کو ضرورت ہے وہی مہیا کرنے والا ہے، تو ہر چیز اسی سے مانگو، بچہ جب ماں کے پیٹ میں آتا ہے تو اندر

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات۔ رقم الحدیث: ۳۶۰۴

وہی انتظام کرنے والا ہے، باہر آ کر دودھ کا انتظام بھی وہی کرنے والا ہے، پھر بڑے ہو کر باپ کی محبت و شفقت اس کو ملتی ہے جس کی اس کو ضرورت ہے، پھر استاذ کی، محلّہ والوں کی، دوستوں کی شفقت ملتی ہے، پھر جہاں جہاں وہ جاتا ہے اس کی مدد کی جاتی ہے، یہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، جس کو سمجھنا چاہیے کہ جب ہم بالکل کسی کام کے نہیں تھے کچھ نہیں کر سکتے تھے اس وقت اللہ نے ہماری حاجات پوری کی ہیں اب جب اللہ نے ہم کو ہوش دیا ہے، تو یہ سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہوگا ان کے ہی کرم سے ہوگا، ان کے ہی فضل سے ملے گا، تو ہر چیز کو انہی سے مانگنا چاہیے۔ اس لیے ہر حال میں اس کی نظر اللہ ہی کی طرف ہونی چاہیے، جس نے شروع سے اس کو دیا ہے، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی اس سے ہی مانگنا چاہیے۔

مظاہر شرک سے اجتناب

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: أَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِیْ عُنُقِیْ صَلِیْبٌ مِنْ ذَھَبٍ، فَقَالَ: یَا عَدِیُّ! اطْرَحْ عَنْکَ ھٰذَا الْوَثَنَ، وَسَمِعْتُہُ یَقْرَأُ فِیْ سُوْرَۃِ بَرَاءَۃَ ﴿اتَّخَذُوْا أَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ أَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ قَالَ: إِنَّھُمْ لَمْ یَکُوْنُوْا یَعْبُدُوْنَھُمْ، وَلٰکِنَّھُمْ کَانُوْا إِذَا أَحَلُّوْا شَیْئاً اسْتَحَلُّوْہُ، وَإِذَا حَرَّمُوْا شَیْئاً حَرَّمُوْہُ۔(۱)

ترجمہ:- حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: فرماتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میری گردن میں سونے کی ایک صلیب لٹکی ہوئی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عدی! اس بت کو اپنے سے جدا کردو۔ فرماتے ہیں: میں نے آپ کو سورۂ بقرہ کی یہ آیت تلاوت فرماتے

(۱) سنن الترمذی، کتاب التفسیر۔ رقم الحدیث: ۳۰۹۵

ہوئے سنا: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۱) کہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر راہبوں اور پادریوں کو اپنا خدا بنا لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ان کی عبادت نہیں کرتے ہیں، لیکن وہ لوگ ان کے لیے جب کوئی چیز حلال کرتے تو وہ لوگ اسی کو حلال سمجھ لیتے تھے، اور جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتے تو وہ اس کو حرام سمجھ لیتے تھے۔

فائدہ:- حضرت عدی بن حاتمؓ کی اس روایت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جناب رسالت مآب علیہ السلام تشریف فرما ہیں اور حضرت عدی ان کی خدمت میں آتے ہیں، حضرت عدی کہتے ہیں کہ میری گردن میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اتار کر پھینک دو، اور یہ آیت بھی تلاوت فرمائی، ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۱) یعنی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور اپنے مشائخ کو رب کا درجہ دے دیا ہے، اللہ کے علاوہ انہوں نے ان کو اپنا رب بنا رکھا ہے، اور رب بنانے کی تشریح بھی فرما دی کہ وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کسی چیز کو ان کے لیے حلال قرار دیتا تو وہ حرام سمجھتے تھے، اور کبھی اس کو الٹا سمجھتے تھے، گویا کہ رہبان وغیرہ کو حلال

وحرام کرنے والا بنا رکھا تھا، حالانکہ یہ اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کسی بندہ کے ہاتھ میں نہیں ہے، یہاں دو باتیں ہیں جو اس حدیث سے معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ شرک کے تمام شعائر میں سے کسی کو بھی اختیار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ شرک کا ہر قسم کا سایہ اور ہر شائبہ ممنوع ہے، شرک کی خرابی پہلے بیان ہو چکی ہے کہ شرک اور گندگی برابر ہے، اگر ہاتھ میں اور پیر میں لگ جائے تو بہت بری بات ہے، جوتے میں پاخانہ لگ جاتا ہے تو آدمی رگڑتا ہے، اور براہ راست شرک کرے تو یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، لیکن جوتے میں بھی اگر لگ جائے تو رگڑنا پڑتا ہے اس کو کوئی برداشت نہیں کرتا، حالانکہ اس کو پہن کر انسان سڑک پر چلتا ہے اور عام راستوں پر جس میں گندگی بھی ہوتی ہے، لیکن ان گندگیوں سے بھی بچتے ہوئے چلتا ہے، اسی طرح شعائر شرک سے بھی منع کیا گیا ہے کہ یہ تو بہت بری بات ہے، کوئی بھی صاحب ایمان اس کا تصور نہیں کر سکتا ہے کہ وہ براہ راست شرک کرے۔

ہمارے حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی ندویؒ) فرماتے تھے اگر صاحب ایمان کو خواب میں نظر آجائے کہ شرک اور کفر اس سے کام لے رہا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، چہ جائیکہ سامنے جاگتے ہوئے خدانخواستہ شرک کی کسی محفل میں جائے، اور شرک میں مبتلا

ہو جائے، اس سے بڑھ کر کوئی بری بات ہے ہی نہیں، کیونکہ شرک کے بارے میں قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ آیا ہے، خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے کہا گیا ہے ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر:٦٥) اگر آپ شرک کریں گے، تو سارا کیا کرایا بالکل ملیا میٹ ہو جائے گا، یعنی شرک کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ ذرا سا اگر ہو جائے تو یہ بھی چلتا ہے وہ بھی چلتا ہے، ایسا نہیں ہے، جیسے دن ہے تو رات نہیں ہو سکتی، بالکل توحید و شرک میں ایسے ہی تضاد ہے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آدمی موحد ہو اور شرک والا ہو، یا اس کے برعکس ہو، اسی لیے انبیائے کرام کا تذکرہ آتا ہے کہ ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام:۸۸) یعنی اگر وہ بھی شرک کریں گے، تو ان کا سب کچھ کیا کرایا ہم ملیا میٹ کر دیں گے۔ شرک اور گناہ میں یہ فرق ہے کہ آدمی جب گناہ کبیرہ کرتا ہے تو ناپاکی کا دھبہ لگ جاتا ہے، لیکن دھبہ کالا نکتہ ہوتا ہے، اگر توبہ کرلے تو مٹ جائے گا، معاف ہو جائے گا، اچھا کام کرے گا تب بھی بہت سے گناہ معاف ہو جائیں گے، لیکن شرک کا یہ معاملہ نہیں ہے وہ اس کے بالکل برخلاف ہے، جب شرک آتا ہے تو تمام چیزوں کو بالکل برباد کر دیتا ہے، یا یوں سمجھ لیں کہ دودھ میں اگر کوئی ایسی چیز گر جائے شربت گر جائے یا اور کوئی چیز گر جائے تو دودھ خراب

نہیں ہوتا بس یہ ہے کہ جو چیز گر گئی ہے اس چیز کو نکال لیجئے، یا کوئی ایسی ہی چیز گر گئی ہے اس کو ہٹا لیجئے، دودھ صحیح ہو جائے گا، البتہ لوگ برا تو سمجھیں گے کہ دودھ خراب ہو رہا ہے لیکن اصلاً خراب نہیں ہوا ہے، لیکن اب اس میں پائخانہ یا پیشاب گر جائے تو اس کو کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا، بالکل شرک کی یہی حقیقت ہے، اس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسی لیے ہر قسم کے شائبہ سے منع کر دیا گیا ہے۔

شرک کی گندگی کا احساس

اب ہم ہندوستانی ہیں اور ہندوستان گہوارۂ شرک ہے، دنیا میں کہیں بھی آج کل جو ترقی یافتہ ممالک ہیں وہاں بھی چلے جائیں لیکن اتنا کھلا ہوا شرک کہیں نہیں ہوتا ہے کہ مورتی پوجا ہو رہی ہو، اور درختوں کا سجدہ ہو رہا ہو، ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، اسی لیے باہر کے لوگ کہتے ہیں کہ تم ہندوستان میں رہتے ہو اور ابھی تک وہاں پتھروں کی پوجا ہوتی ہے، آپ ابھی تک ختم نہیں کر سکے، وہاں رہ کر کیا کر رہے ہو؟ ایک تو آپ اتنے دنوں سے ہیں اور ابھی تک کھلے ہوئے شرک کو ختم نہیں کر سکے، دوسرے شرک کی بدبو آپ کو محسوس کیوں نہیں ہوتی؟ یہ دو باتیں ذہن میں آتی ہیں، دونوں میں مسئلے یہی ہیں کہ ہم دیکھتے دیکھتے عادی

ہو گئے جب ہم گزرتے ہیں کسی شرک کی جگہ سے تو ہم کو محسوس نہیں ہوتا ہے، حالانکہ اگر ہماری حس ہوتی تو ہم کو بدبو محسوس ہوتی، لیکن جب آدمی کی ناک خراب ہو جائے تو نہ عطر معلوم ہوتا ہے نہ بدبو، تو ہم سب ناک کے بیمار ہیں، اور ہماری حس مردہ ہو چکی ہے، اس لیے بدبو محسوس نہیں ہوتی، اور جب کوئی باہر کا آدمی آتا ہے تو اس کو محسوس ہوتی ہے۔

ایک عرب تھے وہ جب کسی پوجا گھر کے پاس سے گزرتے تھے، اور کوئی ایسا استھان نظر آتا تھا تو ان کو حیرت ہوتی تھی اور مخاطب کر کے حیرت سے کہا بھی کہ تم لوگ اس ملک میں کیسے رہتے ہو؟ یہاں ہر طرف شرک کی گرم بازاری ہے، پوجا پاٹ ہو رہی ہے، غیر اللہ کے آگے لوگ ڈنڈوت کر رہے ہیں، تو میں تھوڑا سا چونکا، اور جب غور کیا تو اس وقت سے مزید احساس بڑھ گیا، اب جب گزرنا ہوتا ہے تو ان کا جملہ یاد آتا ہے۔ اور اس کی مثال مجھے بار بار یاد آتی ہے، جب جاجؔ مؤ جانا ہوتا ہے وہاں چمڑے کی فیکٹریاں ہیں وہاں اتنی بدبو آتی ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ وہاں لوگ کیسے رہتے ہیں؟ ہم نے وہاں والوں سے کہا کہ آپ یہاں کیسے رہتے ہیں؟ ہم کو تھوڑی دیر ٹھہرنا مشکل ہو رہا ہے، کہنے لگے عادی ہو گئے ہیں، اسی میں عمدہ عمدہ کھانا کھاتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں، سارے کام کرتے ہیں، اس لیے کہ ماحول وہی ہے یعنی بدبو سونگھتے

سونگھتے بدبو کے عادی ہو گئے، ایسے ہی ہم بھی شرک کی بدبو سونگتے سونگھتے عادی ہو گئے ہیں۔

بے حسی بڑھ گئی

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی کی گردن میں صلیب دیکھی تو آپ نے فرمایا: اس کو اتار دو کیونکہ یہ بت ہے، یعنی شرک کی اس سے بدبو آرہی ہے، گویا کہ تمہارا میلان ابھی شرک کی طرف پایا جاتا ہے؟ ایسے ہی شعائر جو یہاں اختیار کیے جاتے ہیں جو بہت زیادہ ہو چکے ہیں، مسلمان ان کو بہت استعمال کرتے ہیں وہ سب اسی میں آئیں گے، ایک بڑی سیاسی پارٹی کے ایک رہنما نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم لوگ بعض جگہ مندروں میں مورتی پر پھول نہ چڑھائیں، تو پارٹی کی ترقی نہیں ہو سکتی، ہم نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون تمہارا ایمان ختم ہو چکا ہے، توبہ کیجیے، ایمان کی تجدید کیجیے، اس لیے پھول چڑھاتے ہی آپ کا ایمان اسی وقت ختم ہو گیا، سارے اچھے کام ختم ہو گئے، جیسے کسی پاکیزہ چیز میں پیشاب گر جائے ایسے ہی یہاں پر جو کچھ آپ نے اچھے کام کئے تھے سب ختم ہو گئے، کیونکہ شرک معمولی چیز نہیں ہے، برے اعمال سے اعمال ختم نہیں ہوتے، اور برے اعمال پر آپ کی پکڑ ہوگی اور سزا ملے گی،

جرمانہ ہوگا، اور اگر توبہ کر لیتے ہیں اور اس کے بدلہ میں اچھے اعمال کر لیتے ہیں تو بچ بھی جائیں گے، لیکن شرک کے بعد اچھے اعمال بھی ختم ہو جاتے ہیں، ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ گناہ کبیرہ پر بھی یہ نہیں ہوتا، یعنی آدمی گناہ کبیرہ بھی کرے تو حبط اعمال نہیں ہوتا لیکن شرک سے حبط اعمال ہو جاتا ہے، کہ سب کیا کرایا بے کار، برباد ہو جائے گا، اس لیے بہت سوچ سمجھ کر آدمی کو اس سلسلہ میں اپنا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اور احتیاط کا قدم رکھنا چاہیے، ہر مرحلہ پر یہاں شرک ہے، اسی کے نتیجہ میں شرک کی گرم بازاری ہے، قبروں کی دنیا میں شرک ہی شرک ہو رہا ہے، اس لیے کہ احساس مردہ ہو گیا ہے۔

غیر اللہ کو سجدہ روا نہیں

عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ، فَقُلْتُ: لَرَسُولُ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَهُ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: إِنِّي أَتَيْتُ الْحِيرَةَ، فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ، فَأَنْتَ أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَكَ، فَقَالَ لِي: أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ، فَقُلْتُ: لَا، فَقَالَ: لَا تَفْعَلُوا۔(١)

ترجمہ:- حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ فرماتے ہیں کہ میں مقام حیرہ گیا، تو میں نے وہاں کے لوگوں کو ان کے آقا کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، تو میں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو زیادہ حق دار ہیں اس بات کے کہ

(١) سنن أبي داؤد، كتاب النكاح۔ رقم الحديث: ٢١٤٠

آپ کو سجدہ کیا جائے، تو میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میرا حیرہ جانا ہوا تھا، تو میں نے ان کو اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، تو آپ ان سے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزروگے تو بھی سجدہ کروگے؟ فرماتے ہیں: میں نے کہا نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو اِس وقت بھی سجدہ نہ کرو۔

فائدہ:- حضرت قیس بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ مقام حیرہ گئے، وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، تو میں نے کہا کیا آقا، کیا سردار؟ ان کی کیا حیثیت ہے؟ ان کے مقام کی بھی کوئی حیثیت ہے؟ یہ تو ایک علاقہ کے ہیں، اگر دنیا میں کوئی سردار ہے، تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جن سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، نہ ہوا ہے، نہ ہوگا، تو صحابہ کرام کو خیال آیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حق دار ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا جائے، لیکن کرنے سے پہلے معلوم کرنے کی فکر ہوئی۔ اب یہاں ایک فرق صحابہ اور غیر صحابہ میں ہوگیا، وہ یہ کہ جب صحابہ کے ذہن میں کوئی بات آتی تھی تو پوچھتے پہلے تھے بعد میں کرتے تھے، اور ہم لوگوں کو اچھا لگتے ہی کرنا ہے بعد میں پوچھنا ہے۔ تو پھر پوچھا کہ لوگ

سردار کو سجدہ کرتے ہیں آپ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے؟ ایسے ہی ایک مرتبہ اونٹ آیا تھا اور وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ میں گر گیا، تو صحابہ بیٹھے تھے، کہا اے اللہ کے رسول! اب تو ہم کو بھی سجدہ کرنا چاہیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دم سے یہ نہیں کہا کہ تم نے بالکل غلط سوچا، اور ایسا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امتحان لیا، تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے بھی ذہن واضح ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گویا کہ صحابہ کی ذہنی تربیت کا بھی امتحان لیا کہ کیسی ہوئی ہے؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرت اس بات پر ہوئی کہ تم کو یہ خیال آیا کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جب میں قبر میں ہوں گا، تم جب وہاں سے گزرو گے تو کیا سجدہ کرو گے؟ صحابہ نے فوراً کہا: بالکل نہیں، تو کہا پھر زندہ پر کیوں کرو گے؟ جو کہ مرجانے والا ہے، دنیا سے جانے والا ہے، وہ سجدہ کے لائق نہیں ہے، وہ تو صرف ایک ذات ہے جو حَيٌّ لَا يَمُوْتُ ہے، جو زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی، اسی لیے اللہ نے تمام انبیاء کو موت کے مرحلہ سے گزارا ہے، تاکہ کسی کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ ہمیشہ سے زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، اس کو نکالنے کے لیے کہا ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران: ۱۸۵) ہر زندہ نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اسی لیے حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر کون ہوگا جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا

وصال ہوا، تو سب حیرت میں تھے، سب پر خاص کیفیت تھی، اس وقت حضرت ابوبکرؓ آئے، اور عرض کیا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّداً فَاِنَّ مُحَمَّداً قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَیٌّ لَا يَمُوْتُ۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ہوگئی۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے، تو اللہ زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی، تو اب یہاں پر حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات بالکل واضح کردی کہ کسی بھی انسان کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔

شرک کے نقصانات

لیکن جیسے کہ میں نے عرض کیا کہ ہندوستان گہوارۂ شرک ہے، یہاں شرک ابلتا ہے، برستا ہے، یہاں شرک کی آندھیاں چل رہی ہیں، اب اس کی بدبو کے بارے میں نہیں معلوم ہوتا اسی لیے مسلمانوں میں بھی شرک گھس آیا ہے، اور مزاروں پر تو شرک کے علاوہ کچھ ہوتا ہی نہیں ہے، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا لطیفہ ہے کہ وہ اجمیر تشریف لے گئے اور فاتحہ پڑھنے کی غرض سے وہاں کے جو ذمہ دار تھے ان کے یہاں قیام ہوا، انہوں نے ان سے کہا کہ مولانا آپ کے یہاں اتنا شرک ہو رہا ہے آپ اس کو منع کیوں نہیں کرتے؟ اجمیر شرک کا گہوارہ بنا ہوا

ہے، تو انہوں نے کہا حضرت یہاں تو شرک ہے ہی نہیں- اور ان کو اس اشکال پر بڑی حیرت بھی ہوئی- تو مولانا نے کہا کہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں اور کہتے ہیں شرک نہیں ہے، تو انہوں نے بتایا ہاں یہاں صرف خواجہ ہی خواجہ ہیں اللہ کا گزر ہی نہیں ہے، کسی کو کوئی ان کے علاوہ نہیں پکارتا، یہ حد ہوگئی، یعنی اللہ کو بالکل بھول گئے، تو شرک یہاں کس درجہ پر پہنچ چکا ہے، اس لیے وہاں ان کے جتنے اچھے اعمال ہیں، وہ سب غارت ہو چکے، کیونکہ شرک کے ساتھ اچھے اعمال کا کوئی جوڑ نہیں ہے، جیسے تیزاب ڈال دیجئے کہ اس کے ڈالنے سے ہر چیز گل جاتی ہے، ایسے ہی جس چیز پر شرک کا تیزاب ڈل جاتا ہے تو سب کچھ گل جاتا ہے، اس لیے شرک اتنی ناپاک، بدبودار چیز ہے اس سے زیادہ کوئی چیز بری نہیں ہے-

شرک پر معافی نہیں

حدیث میں بھی شرک کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ کے یہاں ہر عمل قابل قبول ہے لیکن شرک قابل قبول نہیں ہے، ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (النساء:۴۸) یعنی اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ جس چیز کو چاہے معاف کر دے، لیکن اس کے ساتھ جو شرک کیا جا رہا ہے اس کو خدا معاف نہیں کرے گا، اس لیے کہ یہ

غیر معمولی چیز ہے، جیسے ایک انسان کھڑا ہے اس کا بیٹا کھڑا ہے، وہ انسان بہت اپنے زمانہ کا مانا ہوا انسان ہے، اور صاحب مقام ہے، اور مال ودولت سے مالا مال ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عہدہ والا ہے، اس کا بیٹا بھی اس کے سامنے کھڑا ہے، اتنے میں ایک معمولی آدمی جو اس کے یہاں کام کرتا تھا وہ آ کر اس کے پاس کھڑا ہو گیا، تو اس کے بیٹے نے اپنے ابا سے مانگنے کے بجائے اس سے مانگ لیا، اور لوگ بھی کھڑے ہوئے تھے تو اس چپراسی سے جو ان کے گھر میں خدمت کر چکا تھا، جب اس سے پیسہ مانگا، کہ ذرا سا کچھ مجھے دے دیجئے، ہدیہ نہیں قرض دے دیجئے، اور باپ سامنے دیکھ رہا ہو، تو بتایئے باپ کو اس پر کتنی ناراضگی ہوگی؟ کہ اس نے تو میری ناک کٹا دی، حد کر دی، کیا میرے پاس پیسہ کی کمی تھی؟ وہ بھی سو پچاس روپیہ کی کیا حیثیت ہے؟ اسی طرح خدا کی ذات تو خدا کی ذات ہے، اور سب کچھ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، جتنے ہیں سب اللہ کے ملازم ہیں، اللہ نے سب کو بنایا ہے، سب کو پیدا کیا ہے، اب کوئی اس کی مخلوقات سے مانگنے لگے تو کیا ہوگا؟ تو اللہ نے جو کچھ دنیا میں ہے سب آپ کے لیے بنایا ہے، اور آپ کو اپنے لئے بنایا ہے، اب اس میں وہی بات ہے، ایک بڑا افسر ہے، اور اونچے مقام کا ہے، ایک چپراسی ہے پانی لے کر آیا، اور بڑا افسر ایک دم چپراسی کے آگے جھک جائے، ڈنڈوت کرنے لگے، سجدہ

کرنے لگے تو جتنے لوگ ہیں سب کہیں گے یہ افسری کے لائق نہیں ہے، اس کا دماغ چل گیا ہے، بہت سے لوگ کہیں گے اس کو نور منزل (۱) بھیج دو اس کا دماغ چل گیا ہے، کہ اپنے نوکر کے آگے جھک رہا ہے اور دوسرے جو بڑے افسر کے پاس بات جائے گی وہ ہٹا دیں گے، افسر کو تو اسی حیثیت کے ساتھ رہنا چاہیے جیسے وہ ہے۔

توحید سے وزن پیدا ہوتا ہے

ایسے ہی اللہ نے آپ کو اس کائنات کا افسر بنایا ہے، اب شجر و حجر، دریا، سمندر سب آپ کے چاکر ہیں، ملازم ہیں، اب اگر آپ ان کے آگے جھکنے لگے تو کیا حیثیت ہے؟ خود آپ نے اپنے کو بے حیثیت کر لیا، آپ بے وزن ہو گئے، اور ہلکے ہو گئے، اللہ نے آپ کو باوزن بنایا تھا، اَیُّھَا الثَّقَلَان کہا تھا، اے بھاری بھرکم لوگو! اے جن! جو باوزن ہو، اور اے انسانو! جو باوزن ہو، اور یہ باوزن جب ہی ہوں گے جب عقیدۂ توحید درست ہو، اللہ سے رابطہ اور واسطہ صحیح ہوگا، تب باوزن ہوں گے، اور جبھی تمہارا مقام تم کو معلوم ہوگا، اور تم تو اپنے نوکروں کے آگے، چاکروں کے آگے، اپنے غلاموں کے آگے جھک رہے ہو، تم نے حد کر دی، تم کسی کام کے نہیں رہ گئے، اپنے کو بے وزن کر کے رکھ دیا، ہلکے ہو گئے، تمہاری حیثیت ختم ہو گئی، قبروں کو سجدہ ہو رہا ہے، انسان کو ہو رہا

ہے، کسی بھی قبر پر آپ جا کر دیکھئے، خوب سجدے ہو رہے ہیں، منتیں مانگی جارہی ہیں، ان کو مشکل کشا سمجھا جارہا ہے، ان کو حاجت روا سمجھا جارہا ہے، تو یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے؟

آج امت کو شرک سے اتنی مناسبت ہوگئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق اسی سے ہے، یہ پیدا اسی کے لیے ہوئے ہیں، جیسے مہتر ہوتے تھے پاخانہ کے اندر بھی سو جاتے تھے، ایسے ہی ان کا گندگی کا مزاج بن گیا ہے کہ وہ اس کو برا نہیں سمجھتے، اگر ان کو اتباع سنت کا عطر سنگھا دیا جائے تو ان کا انتقال ہو جائے، جیسے عربوں میں یہ رکشہ نہیں ہے، جب شروع میں وہ لوگ آئے، تو کہا اس پر کیسے بیٹھتے ہو؟ کیونکہ وہاں یہ تصور ہی نہیں ہے کہ ایک انسان اتنا کمتر ہوگا، ہمارے یہاں جو بڑا ہوتا ہے اس کے لیے ادب سے بیٹھیں گے، عربوں میں یہ نہیں ہے، بلکہ یہ بھی انسان ہے یہ بھی انسان ہے، ایسے ہی بڑے افسر نے اپنے ملازم سے پانی مانگا لیکن ملازم اسی کی کرسی پر بیٹھ کر پانی پینے لگے اور وہ آجائے تو اور منگا لے گا، لیکن اس کو برا نہیں لگے گا، اور اگر ہمارے یہاں ایسا ہو جائے تو معطل کر دیا جائے گا، ایسے ہی شاہ فیصل کا واقعہ ہے وہ طواف کرنے آئے اور ایسے میں اگر کوئی بڑا ہوتا ہے تو مطاف خالی کر دیا جاتا ہے، نئے آنے والوں کو روک دیا جاتا ہے، تو کرنے کے بعد ان کے لیے مقام ابراہیم

کے پاس شاہی مصلیٰ بچھایا گیا، تو بعد میں ایک کالا افریقن طواف کر رہا تھا، وہ آیا اور اسی مصلیٰ پر نیت باندھ لی، تو سپاہی پکڑنے کو دوڑے، تو شاہ فیصل نے روکا، اور خود دوسرے مصلیٰ پر نماز پڑھی، یہ وہ مساوات انسانی ہے کہ اگر یہ ختم ہو جائے تو شرک شروع ہوتا ہے، اور غلو ہوتے ہوتے آدمی پھر کہاں پہنچ جاتا ہے، اس لیے ان سب سے منع کیا گیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا، تو یہ صحابہ کے ذہن میں ہی نہیں آسکتا تھا، انہوں نے کہا ایسا نہیں کریں گے، بخاری کی روایت میں ہے کہ اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو شوہر کے لیے بیوی کو دیتا، لیکن وہ بھی نہیں رکھا گیا، تا کہ بالکلیہ شرک سے محفوظ رہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم

حضرت موسیٰؑ سے ان کی قوم نے کہا تھا قرآن میں بھی ہے کہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے تو میلے کے پاس سے گزرے، وہاں مرد وزن کا اختلاط تھا، سب کچھ تھا، سب تماشے دکھائے جا رہے تھے، تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہم کو محروم کر رکھا ہے، آپ بھی ایسا ہی معبود لاؤ جیسا ان کا ہے، تو حضرت موسیٰ کو جلال آ گیا، فرمایا ﴿إِنَّ هَـٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَـٰطِلٌ مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾ (الاعراف: ۱۳۹) کہ اللہ کے

بندو! ان پر جھاڑو پھر جانے والی ہے۔

تو آج کل اس طرح کی چیزیں نمائشوں سے لے کر مزاروں تک دکھائی دے رہی ہیں وہ سب وقتی ہیں، ان کو دوام نہیں ہے۔ لیکن چند لوگوں کے دنیوی و مالی منافع وابستہ ہوتے ہیں اس لیے اس کو فروغ دیا جاتا ہے، تو یہاں کہہ دیا گیا ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کیا جائے گا، اسی لیے حضرت مجدد صاحبؒ نے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو جیل بھی جانا ہوا، تو بس اللہ والوں سے فوائد حاصل کر سکتے ہیں جو انہوں نے سیکھا ہے وہ ہم سیکھ سکتے ہیں، یہ نہیں ہے کہ ہم کو وہ کچھ دے دیں گے، ہماری نیاز پوری کر دیں گے، بلکہ یہ ذہن میں رہے کہ ہماری تمام چیزیں اللہ ہی سے وابستہ ہیں، اور ہم کو اسی سے ہر چیز مانگنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی کا سفارشی نہیں

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: جُهِدَتِ الْأَنْفُسُ، وَجَاعَ الْعِيَالُ، وَنُهِكَتِ الْأَمْوَالُ، وَهَلَكَتِ الْأَنْعَامُ، فَاسْتَسْقِ اللّٰهَ لَنَا، فَإِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ، وَنَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتّٰى عُرِفَ ذٰلِكَ فِي وُجُوْهِ أَصْحَابِهِ، ثُمَّ قَالَ: وَيْحَكَ، إِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰى أَحَدٍ مِنْ خَلْقِهِ، شَأْنُ اللّٰهِ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ۔(۱)

ترجمہ:- حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آئے، اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! جانیں مشقت میں پڑ گئیں، اہل وعیال

(۱) سنن أبي داود، كتاب السنة۔ رقم الحديث: ٤٧٢٦

بھوکے ہیں، مال ومتاع ختم ہو چکا، جانور بھی ہلاک ہو رہے ہیں، تو اللہ سے ہمارے لیے بارش کی دعا کر دیجئے، کیونکہ ہم اللہ سے آپ کی، اور اللہ کی آپ سے سفارش طلب کرتے ہیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! اور آپ مستقل سبحان اللہ کہتے ہی رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کا مطلب سمجھ لیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرمایا: تمہارا برا ہو، مخلوق میں سے خدا کسی سے سفارش نہیں کرتا ہے، اس کی ذات تو اس سے کہیں بالاتر ہے۔

فائدہ:- حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ایک دیہاتی شخص حاضر ہوا، اور اس نے آکر اپنے علاقہ کا نقشہ کھینچا کہ پانی عرصہ سے نہیں برسا تھا، کھیتیاں خوشک تھیں، جانور پریشان تھے، اور خود انسان پریشان تھے اور ہلاکت کے قریب تھے، تو اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کھیتیاں بھی برباد ہو گئیں، اہل وعیال کا برا حال ہے، اور ہم تھکے ہارے لوگ ہیں، تو اللہ سے دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو پانی عطا فرمائے، اور پھر اس نے کہا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے دربار میں سفارشی بنا رہے ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اللہ کے لیے ہے، اور اللہ کی شفاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے، نبی پاک علیہ

الصلاۃ والسلام نے جب یہ بات سنی تو ظاہر ہے کہ مشرکانہ بات تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بتایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے کہ اس کو کسی کے دربار میں سفارشی بنایا جائے، اور چونکہ سفارش کرنا تو اس بات کی علامت ہے کہ سفارش کرنے والا بندہ ہے، ورنہ جو بندہ نہیں ہوتا وہ سفارش نہیں کرتا، بندہ ہی کرتا ہے اور ماتحت ہی سفارش کرتا ہے، جو خود کام نہیں بنا سکتا وہی سفارش کرتا ہے، تو سفارش کرنا علامت اس بات کی ہے کہ وہ بندہ ہے، جبھی سفارش کر رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ ان تمام چیزوں سے بلند و بالا ہے، وہ نہیں کرے گا، وہ تو اعلیٰ درجہ پر ہے، حکم دینے والا ہے سفارش کرنے والا نہیں ہے، اسی لیے انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیاء سفارش کریں گے، اور دوسرے اللہ کے بندے اپنے اپنے اعمال، اور اس کی وجہ سے جو مقامات ان کو حاصل ہیں ان کے اعتبار سے سفارش کریں گے، تو یہ تو ثابت ہے کہ سفارش سب کریں گے، لیکن سفارش بھی جب اللہ کی اجازت ہوگی تبھی کر پائیں گے، یہاں دنیا میں بھی سفارش وہی کرتا ہے جو سمجھتا ہے کہ کرنے کی اجازت ہے، ورنہ پہلے سے معلوم ہو کہ اجازت نہیں ہے تو یہاں بھی کوئی سفارش نہیں کرتا ہے، اگر کوئی بڑا حاکم اپنے ماتحت کو، یا سکریٹری کو منع کر دے کہ سفارش نہیں کرنی ہے تو نہیں کرتا ہے، اور اگر وہ کہہ دیتا ہے کہ کر دینا تم کو اجازت ہے، لیکن فلاں

فلاں کی کر سکتے ہو، اور کی نہیں، تو ویسا ہی کرے گا۔

سفارش کا استحقاق

اسی لیے قرآن مجید میں بھی بار بار فرمایا گیا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ، کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کر سکے بغیر اللہ کی اجازت کے، تو اجازت کے بغیر وہاں بھی کوئی کر ہی نہیں سکتا، اسی لیے نبی جو سفارش کرنے والوں میں سب سے ممتاز، سب کے پیشوا، اور امام ہیں ان کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب وہ اللہ کے دربار میں پہنچیں گے جب سب انکار کردیں گے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے اور اللہ کی حمد وثناء کریں گے، اور حمد وثناء کے ایسے ایسے کلمات القاء ہوں گے جو اس سے پہلے کسی کو نہیں ہوئے ہوں گے، تو ایک عرصہ تک جب تعریف کر چکیں گے، تو اللہ فرمائے گا یَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، اور اسی میں ہے اِشْفَعْ تُشَفَّعْ، یعنی اب سفارش کی اجازت ہے، لیکن یہاں پر بھی جو مشرک ہو اس کی کوئی سفارش کر ہی نہیں سکتا، جیسے دنیا میں اس کے لیے کوئی مغفرت طلب نہیں کر سکتا، ایسے ہی آخرت میں کوئی اس کی سفارش نہیں کر سکتا۔

مشرک سفارش سے محروم ہوگا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو والد صاحب کی سفارش سے منع کر دیا

گیا، کیونکہ ان کا باپ مشرک تھا، تو حضرت ابراہیم جیسا جلیل القدر انسان جو انبیاء میں بھی امامت کے درجہ کبریٰ پر فائز ہیں، ان کو بھی منع کر دیا گیا کہ وہ اللہ کے لیے ہی محبت کریں، اور قیامت میں وہ اپنے والد کی سفارش نہ کریں، اور جب وہ سامنے آئیں گے تو حضرت ابراہیم کہیں گے میرے والد، میرے والد، جب اس طرح ہوگا تو ان کے والد کا چہرہ نہایت گندے جانور کی شکل میں بدل جائے گا، پھر جو وہ تکلیف محسوس کر رہے تھے، وہ ختم ہو جائے گی اور ان کے والد کو اسی شکل میں جہنم میں لے جایا جائے گا، مگر ان کی سفارش قبول نہ ہو سکے گی، اسی لیے مشرک کے سلسلہ میں دنیا میں استغفار کی اجازت نہیں، اور آخرت میں سفارش کی اجازت نہیں، شرک اس قدر بری چیز ہے، یعنی جو کھلا ہوا شرک کرتا ہے تو اس کی سفارش کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

اہل ایمان کی سفارش

ہاں جو شرک سے پاک ہو، تو سب سے بڑھ کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے، جب حساب کتاب شروع ہوگا، تو سب انتظار میں ہوں گے کہ کیا ہونے والا ہے؟ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دربار میں جائیں گے، پھر کہا جائے گا اے محمد! اب سر کو اٹھاؤ، جو مانگو وہ دیا جائے گا، سفارش کرو

قبول ہوگی، تو سفارش اس بات کی علامت ہے کہ وہ کرنے والا کمزور ہے اس لیے الٹا نہیں ہوا کہ مالک اپنے بندہ سے سفارش نہیں کرتا، بلکہ بندہ مالک سے کرتا ہے، اسی سے معلوم ہوا کہ اللہ سفارش نہیں کرتا کیونکہ وہ مالک ہے۔

ایک واقعہ

یہاں رائے بریلی کا ایک واقعہ ہے، جس سے فرق واضح ہوگا، یہاں اندرا گاندھی جب ایم پی تھیں، اس زمانہ میں یہاں والے بہت آسانی سے ان سے مل لیتے تھے، اور جو کچھ کام ہوتا تھا وہ بھی ہوجاتا تھا، تو ایک صاحب کو حج پر جانا تھا جہاز کی سیٹ نہیں مل رہی تھی وہ ڈائریکٹ دلی اسی کے پاس پہنچے، اور کہا اندرا گاندھی سے کہ آپ کے پاس ایک کام سے آیا ہوں، اس نے پوچھا کیا کام ہے؟ تو اس نے اپنی ضرورت بیان کی کہ حج کی سیٹ کنفرم نہیں ہورہی ہے، آپ کمپنی والوں سے سفارش کردیں، اس نے کہا میں سفارش نہیں کرسکتی، کیونکہ سفارش کرنے والا کمزور ہوتا ہے، میں کمزور نہیں ہوں، اور پرچہ پر لکھ کر دے دیا تو کام ہوگیا۔

اب یہاں اس نے وہ بات واضح کردی کہ سفارش کرنے والا جو ہوتا ہے وہ کمزور ہوتا ہے، اس وجہ سے تمام انبیاء کے ساتھ سفارش لگائی گئی ہے

تا کہ ان کی عبدیت ظاہر ہو جائے کہ وہ مالک و مختار نہیں ہیں بلکہ وہ عبد ہیں، اسی لیے یہیں مالک اور شفیع کا فرق بھی واضح ہو گیا، کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مالک نہیں شفیع ہیں، اور جو اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مالک سمجھتے ہیں تو وہ شرک میں مبتلا ہیں، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مالک نہیں ہے ،سفارش کرنے والے ہیں۔

بہر حال جو کچھ اس دیہاتی نے کہا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت تک نہیں رہا تھا، اس لیے اس نے سیدھے سیدھے کہہ دیا، تو اس کا آپ پر بہت اثر پڑا کہ سبحان اللہ کیسی بات تم نے کہی، اور سبحان اللہ! اتنا فرمایا کہ صحابہ کرام کے چہرے پر اس کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہو گئے پھر فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جس کی اللہ سفارش کرے اور اللہ کی شان اس سے بلند و بالا ہے، اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے، یہاں اس دیہاتی کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ بہت بڑا ہے، اور اس سے بات واضح کر دی کہ اللہ مالک و مختار ہے، ہم لوگ اس کے غلام ہیں، بندے ہیں، بندگی ہماری شان ہے، اور ان کی شان ان کا مالک و مختار ہونا ہے، دونوں کی شان اسی وقت ظاہر ہوگی جب یہ اپنے اصل پر آجائے، اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خاص مقامات بیان کیے گئے ہیں ان میں عبدیت کی شان کو زیادہ

واضح کیا گیا ہے کیونکہ جو اپنے اصل کی طرف زیادہ لوٹے گا اور زیادہ اصل سے وابستہ رہے گا تو وہ اونچا رہے گا، یہ بہت اہم بات ہے، نمک وہ اچھا ہے جو نمکین ہو، شکر وہ اچھی ہے جو میٹھی ہو، کیونکہ اس کا تعلق اپنی اصل سے وابستہ ہے۔

مقام عبدیت

جس کو اللہ نے عبد بنایا ہے اس کے اندر جتنی شان عبدیت ہوگی اتنا ہی اس کا مقام بلند ہو جائے گا، اسی لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بلندیِ شان کو ظاہر کرنے کے لیے جب ان کو اپنے پاس بلایا تو کہا ﴿سُبْحَانَ الَّذِیٓ أَسْرَی بِعَبْدِهِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی﴾ (بنی اسرائیل: ۱) بعبدہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، تو یہاں عبدیت کی شان ظاہر فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ ساری حکمتیں عبدیت سے وابستہ ہیں، یعنی فرمایا: جو یہ چاہتا ہے کہ اس کو معراج ہو تو وہ عبد بن جائے، اور جو چاہتا ہے کہ اللہ کی طرف سے اس پر انعامات واکرامات کی بارشیں ہوں تو اس کو عبد ہو جانا چاہیے، اسی لیے قرآن میں یہ بھی ہے ﴿فَأَوْحَی إِلَی عَبْدِهِ مَا أَوْحَی﴾ (النجم: ۱۰) جو چاہا اس نے اپنے بندہ سے کہا۔ تو خاص مقامات پر عبد کا لفظ آیا ہے، اور جو سب سے بڑا ہوا اس کے

بعد بندہ بن کر رہے وہ مقام بلند پر ہے، یہاں ایک بات اور ہو گئی کہ آج ذرا کسی کو کچھ دکھ جائے تو نہ جانے کیا سمجھنے لگتا ہے، لیکن یہاں سب کچھ ہوتے ہوئے کچھ نہیں سمجھتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند تھا، اسی لیے وہاں پر بھی عبدیت کا لفظ لایا گیا ہے، تو اسی وجہ سے آپ کو انسان کامل بھی کہا جاتا ہے۔

اسی طرح آپ کے اندر عبدیت اپنی تمام توانائیت اور معنویت کے ساتھ پائی جاتی ہے، اس لیے وہ اللہ کو پیارے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند ہے، اور اسی لیے جو تعریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حد سے آگے بڑھ جائے تو وہ توہین ہو جاتی ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد سے زیادہ منع فرمایا، اور جنہوں نے اپنے نبی کو حد سے زیادہ آگے بڑھایا تو وہ کہیں کے بھی نہیں رہے، جیسے عیسائی، کیونکہ انہوں نبی کے ساتھ اچھا معاملہ نہیں کیا تو بھٹک گئے، اور تعریف کرنے میں حد سے آگے بڑھ گئے، جو کہ ان کی توہین تھی تعریف نہیں تھی، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ نہ کرنا جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے ساتھ کیا، میں اس کا بندہ ہوں، تو تم بھی یہی کہو کہ اس کے بندہ ہیں، اس کے رسول ہیں، تو ہم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول سمجھنا چاہیے، اپنے تمام اوصاف وکمالات کی جامعیت کے ساتھ،

جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائے ۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لیکن سب کچھ حاصل ہوتے ہوئے بھی شان عبدیت آپ کی چھلکتی ہے، ہر جگہ، اور ہر موقع پر، ہر گلی کوچوں میں، یہاں تک کہ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے، ایک معمولی باندی یا لڑکی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور کام کروا لیتی تھی، جو چاہتا تھا آپ سے گفتگو کرتا تھا، سارے جہاں کا بادشاہ اور سردار ہو کر آپ میں عبدیت کی ایسی شان تھی کہ آپ ہر کس و ناکس سے گفتگو عام طرح سے فرماتے تھے، یہی آپ کی سادگی، آپ کی بے تکلفی، وہ شان عبدیت ظاہر کرتی تھی جس سے آپ کو مقام بلند مل گیا، وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکا، لیکن یہ یاد رہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بہت نازک ہے ؎ باخدا دیوانہ باشی با محمد ہوشیار

مقام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کے معاملہ میں جو چاہو کہو، جتنی دیوانگی کا اظہار کر سکتے ہو کر لو، وہ سب جانتے ہیں اور تعریف کرتے چلے جاؤ جتنی کرو گے کم ہی رہے گی، تو کہاں تک کرو گے، وہاں تک ہو ہی نہیں سکتی، اللہ کی تعریف کرتے چلے جاؤ، اس میں یہ کہ اللہ اندر و باہر سب جانتا ہے، ایک حدیث میں

آتا ہے ایک آدمی کا سامان سمیت صحراء میں اونٹ کھو گیا، اور اگر اونٹ صحراء میں غائب ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ اب نہیں ملے گا، تو وہ موت کے انتظار میں لیٹ گیا، اب جب آنکھ کھلی تو سامنے اونٹ کھڑا تھا، اب خوشی کا کیا عالم ہوگا؟ تو اس نے کہا اے اللہ! تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں، تو حدیث میں آتا ہے أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ، یعنی خوشی و مستی کے عالم میں غلطی کر گیا اور کہنے لگا میں آپ کا رب ہوں، تو اب ظاہر ہے کہ زبان سے بالکل الٹا نکل گیا، لیکن اللہ جانتا ہے کہ زبان غلط ہے لیکن اس کا دل صحیح ہے، تو اس کا کام بن جائے گا، لیکن "با محمد ہوشیار" جب بارگاہ نبوی میں آؤ تو سوچ سمجھ کر آنا، پکڑ لیے جاؤ گے، اس لیے یہاں آنے کے بعد ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کمی ہو جائے اور ایسا بھی نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں جو حد ہے وہ کراس کر جائے، یہ بھی توحید ہے وہ بھی توحید ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ویسا ہی ماننا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام ہے اس کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا ہے، اس لیے یہ معاملہ بہت نازک ہے، بعض لوگ توحید بیان کرنے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی گستاخی کر جاتے ہیں، یہ بھی توحید ہے، اور توحید میں اتنے آگے بڑھ جائیں کہ شرک ہو جائے یہ توہین ہے۔

بشر اور مافوق البشر

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بشر ہیں، تو دوسری طرف مافوق البشر ہیں، یعنی آپ مکمل بشر ہیں، اگر کوئی منع کرتا ہے تو آپ کی توہین ہے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ نرے بشر ہیں، یعنی ان کے اندر کچھ ہے ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ بھی توہین ہے، دونوں ہی غلط ہیں، بشر ہیں لیکن مافوق البشر ہیں، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ دو حیثیتیں چلتی ہیں، اگر آدمی غور کرے تو سمجھ میں آجائے، ایک طرف آپ کی ازواج ہیں جو بشر ہونے پر دال ہیں، لیکن وہ ازواج آپ کے انتقال کے بعد دوسرے سے شادی نہیں کرسکتیں، اس لیے کہ آپ مافوق البشر ہیں، ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے ہیں دوسری طرف اطمینان سے صوم وصال رکھتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوچ کر چلنا ہوگا، آپ کے ماں باپ ہیں، چچا ہیں، دادا ہیں، تو یہ بشر ہونے کی دلیل ہے، لیکن آپ کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے کہ مافوق البشر ہیں، نبی کا مقام اتنا بلند ہے کہ اگر بھولے سے، غلطی سے ان کی شان میں گستاخی ہوجائے تب بھی آپ کا سارا کیا کرایا ختم ہوجائے گا، اس لیے بہت خطرہ کی بات ہے۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾(الحجرات:۲) یعنی نبی کے سامنے اپنی آواز کو بلند نہ کرو، حالانکہ سب نے لکھا ہے کہ آواز کا بلند کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور گناہ کبیرہ سے حبط اعمال نہیں ہوتا، پھر اللہ کیوں کہہ رہا ہے کہ اگر زور سے نبی کے دربار میں آواز نکالی تو تم کو پتہ بھی نہیں چلے گا اور تمہارے سارے اعمال بالکل بیکار ہو جائیں گے، سب ختم ہو جائیں گے، بات دراصل یہی ہے کہ بعض دفعہ رفع صوت تکلیف دہ ہوتا ہے، اور بعض اوقات نہیں ہوتا ہے، آپ زور سے بولیں تو اس کو تکلیف پہنچ سکتی ہے اور بعض دفعہ نہیں پہنچتی، لیکن یہ نہیں معلوم کب پہنچے گی کب نہیں پہنچے گی؟ یہاں وہی معاملہ ہے کہ نبی کے دربار میں آواز بلند نہ کرو، کیونکہ ذرا بھی تکلیف ہوگئی تو سب چلا جائے گا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا جس طرح عیسائیوں نے کیا ہے ویسا نہ کرنا کہ خدا کے ساتھ جوڑ دیا، اور نہ جانے کیا کیا ان کے بارے میں تصورات پیدا کر لیے، لہٰذا ان تمام چیزوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وابستہ کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

اب جیسے بعض بدعتیوں کے اشعار میں جو کھلا ہوا شرک ہے وہ سب

بالکل غلط ہے، اور عقیدہ کو خراب کرنے والا ہے، اس سے ہر حال میں اجتناب ضروری ہے، جیسے کہ ۔

وہی جو مستوی ہے عرش پر خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

یہ شرک ہی نہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے، اس لیے اس کا بہت خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکل جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا ذریعہ ہو، اسی وجہ سے دیکھئے ہر وہ چیز جس سے نبی کو ایذاء پہنچنے کا خطرہ ہو وہ ہم کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اسی طرح جو صحابہ کرام کو برا کہے تو حدیث میں آتا ہے کہ مَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِیْ، کہ جس نے ان کو کچھ برا کہا تو گویا کہ مجھے بھی کہا۔ اسی طرح جو اہل بیت کو برا کہے، تو اس کے تعلق سے بھی ہے کہ مَنْ آذَاهَا فَقَدْ آذَانِیْ، تو صحابہ کو جو برا کہے گا، تو نبی کو تکلیف پہنچے گی، اور اس کا سارا کیا کرایا بالکل بیکار چلا جائے گا، ایسے ہی اہل بیت کو برا کہنے والا بھی، اپنی منفعت کھو بیٹھے گا، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا بھی تکلیف کا پہنچنا ایمان کے خاتمہ کا سبب بن سکتا ہے، حضرت وحشی کے قصہ سے اس کو سمجھنا

چاہیے کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامنے آنے سے منع ہی اس لیے کیا تھا، کہ چچا یاد آئیں گے اور فطری طور پر تکلیف ہوگی، لہٰذا قبل اس کے کہ مجھے تکلیف ہو، اور ان کا خدانخواستہ ایمان چلا جائے، ضروری یہ ہے کہ ان کو ہدایت کر دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے نہ آیا کریں، کیونکہ چچا یاد آجاتے ہیں۔ تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کا کس قدر خیال تھا۔ اسی طرح حضرت فاطمہ، حضرات حسنین جو چمن رسول کے پھول ہیں ان کے بارے میں کوئی اگر کچھ کہے گا، تو ایمان چلے جانے کا خطرہ ہے، لہٰذا ہر وہ چیز جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے اور شعائر میں سے ہے اس میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

تو حد سے زیادہ تعریف نہ ہو، شرک نہ ہو یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے برابر نہ لاؤ، بلکہ ہمیشہ یہ ذہن میں رہے کہ یہ بندے ہیں وہ خدا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب

ایک روایت میں ہے کہ ایک بار مدینہ کی بچیاں اہل بدر کا مرثیہ پڑھ رہی تھیں، ان میں ایک نے کہا وَفِینَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ کہ ہمارے درمیان ایک ایسے نبی ہیں جو کل کیا ہونے والا ہے وہ بھی جانتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تنبیہ فرمادی، حالانکہ آپ کو اللہ نے اچھا خاصا

غیب کا علم دیا تھا، لیکن عالم الغیب والشھادۃ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، کیونکہ انسان سامنے ہی دیکھتا ہے پیچھے نہیں دیکھتا، دور کی نہیں دیکھتا قریب کی دیکھ لیتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ لیتا ہے، وہ سامنے کی پیچھے کی سب کچھ دیکھتا ہے، تو عالم الغیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ علم غیب تھا، جیسے ندوہ میں کسی نے دس سال پڑھا ہو، تو وہ مسئلہ بتا سکتا ہے، اور ایک وہ ہے جس نے پڑھا کچھ نہیں اور فتاوی ندوہ زبانی یاد کرلیا تو مسئلے بہت جانتا ہے لیکن عالم نہیں ہے، اور جو عالم ہے اس کو فتاوی یاد نہ ہو، لیکن وہ بتادے گا، تو یہی فرق ہے دوسروں میں اور خدا میں، معلومات تو بہت ہیں لیکن سوائے اللہ کی ذات کے کوئی عالم الغیب نہیں ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی واضح چیز نظر نہیں آئی، تو یہ اس لیے کرایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کے بارے میں شک نہ ہو، تو اللہ نے آپ کو علم تو دیا ہے، لیکن کلا عالم الغیب نہیں بنایا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت توحید سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔